قُربان تُست جانِ مَن اے یارِ مُحسنم

مُدیر
منیر احمد جاوید

نومبر ۱۹۸۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَاسۡتَبِقُوا الۡخَیۡرٰتِ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد ۳۲ ــــــــ شمارہ ۱

نومبر ۱۹۸۴ء

اس شمارے میں

مُدیر :- منیر احمد جاوید

نائب مُدیر :- عبدالسمیع خاں

معاونین :- محمود احمد شاد۔ محمد عثمان۔ مشہود احمد ظفر

سالانہ چندہ :- ۲۵ روپے

ماہانہ " :- ۲ روپے ۵۰ پیسے

ممالکِ بیرون :- ۱۵۰ روپے

پبلشر :- مبارک احمد خالد　　پرنٹر :- سیّد عبدالحی　　مطبع :- ضیاء الاسلام ربوہ

مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ 'خالد' دارالصدر جنوبی ربوہ　　رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۸۳۰

ہر فیض کا سرچشمہ ــــ محمد رسول اللہ

"پس میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبیؐ جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اُس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اُس کے عالی مقام کا اِنتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اُس کی تاثیرِ قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دُنیا سے گُم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اُس کو دُنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے اِنتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوعِ انسان کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی اِس لئے خدا نے جو اُس کے دِل کے راز کا واقف تھا اُس کو تمام انبیاءؑ اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اُس کی مُرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اسؐ کو دی گئی ہے۔"

(حقیقت الوحی)

بہتر انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہتر سلوک کرے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ۔

(ترمذی)

ترجمہ :۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک کرنے میں بہتر ہے۔ اور میں اپنے اہل کے ساتھ سلوک کرنے میں تم سب سے بہتر ہوں۔

تشریح :۔ اس حدیث میں بیوی کے ساتھ حُسن سلوک کرنے کی جو تاکید کی گئی ہے۔ وہ ظاہر و عیاں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیوی کے ساتھ خاوند کے حُسن سلوک کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے خدا اور اُس کے رسول کو تو مان لیا۔ اور ایمان کی نعمت سے بھی متمتع ہو گئے۔ لیکن حقوق العباد کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال کو بھی دیکھے گا جو تم خدا کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنے میں بجا لاتے ہو۔ اور ان اعمال میں بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو اسلام میں بہت نمایاں درجہ حاصل ہے حتیٰ کہ تم میں سے خدا کی نظر میں بہتر انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک میں بہتر ہے لیکن چونکہ ہر شخص اپنے سلوک کو بزعم خود اچھا قرار دے سکتا ہے۔ اس لئے اس امکانی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اچھے سلوک کا معیار تمہارا کوئی خود تراشیدہ قانون نہیں ہوگا۔ بلکہ اس معاملہ میں میرے نمونہ کو دیکھا جائیگا۔ کیونکہ خدا کی دی ہوئی توفیق سے میں اپنے اہل کے ساتھ سلوک کرنے میں تم سب سے بہتر ہوں۔

اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان عورتوں کے ازدواجی حقوق کو اتنے اعلیٰ معیار پر قائم فرما دیا ہے کہ وقتی رنجشوں کو چھوڑ کر جو بعض اوقات اچھے سے اچھے گھر میں بھی ہو جاتی ہیں۔ کوئی شریف بیوی کسی نیک مسلمان کے گھر میں دُکھ کی زندگی میں مبتلا نہیں ہو سکتی۔ اور حق یہ ہے کہ اگر عورت کو خاوند کی طرف سے سُکھ حاصل ہو تو وہ دُنیا کی ہر دوسری تکلیف کو خوشی کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اور اس سُکھ کے مقابلہ میں کسی شریف عورت کے نزدیک دُنیا کی کوئی اور نعمت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ لیکن اگر ایک عورت کے ساتھ اس کے خاوند کا سلوک اچھا نہیں۔ تو خاوند کی دولت بھی اس کے لئے لعنت ہے اور خاوند کی عزت بھی اس کے لئے لعنت ہے اور خاوند کی صحت بھی اس کے لئے لعنت ہے۔

کیونکہ ان چیزوں کی قدر صرف خاوند کی محبّت اور گھر کی سکینت کے میدان میں ہی پیدا ہوتی ہے۔ پس اس بات میں ذرّہ بھر بھی شک کی گنجائش نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک ارشاد گھروں کی چار دیواری کو جنّت بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ عورت بھی خاوند کی فرمانبرداری اور اس کی محبّت کی قدردان ہو۔ اور پھر خاوند بیوی کے اس اتحاد کا اثر لازمًا ان کی اولاد پر بھی پڑتا ہے اور اس طرح آج کی برکت گویا ایک دائمی برکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

یہ وہ سبق ہے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل اس ملک میں اور اس قوم کے درمیان رہتے ہوئے دیا۔ جس میں عورت عمومًا ایک جانور سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی اور پھر اس حکم کو دو ایسی باتوں کے ساتھ مربوط کر دیا۔ جن کے بلند معیار تک آج کی بظاہر ترقی یافتہ اقوام بھی نہیں پہنچ سکیں اور نہ کبھی پہنچ سکیں گی۔ کیونکہ ان دو باتوں کے ساتھ مل کر عورت کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم اس ارفع مقام کو حاصل کر لیتا ہے جس کے اوپر اس میدان میں کوئی اور بلندی نہیں۔ یہ دو باتیں ہمارے آقا کے الفاظ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ کے مطابق یہ ہیں کہ:

(اوّل)۔ عورت کے ساتھ خاوند کا حُسنِ سلوک صرف ضروری ہی نہیں ہے بلکہ دراصل حقوق العباد کے میدان میں مَرد کا یہی وصف خدا کی نظر میں مَرد کے درجہ اور مقام کا حقیقی پیمانہ ہے۔ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ سلوک میں بہتر ہے۔ وہی خدا کی نظر میں بہتر ہے۔

(دوم)۔ اس حُسنِ سلوک کا معیار کسی شخص کی ذاتی رائے پر مبنی نہیں ہے۔ (کیونکہ اپنے مُنہ سے تو ہر شخص اپنے آپ کو اچھا کہہ سکتا ہے) بلکہ اس کا معیار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اسوہ ہے۔ پس صرف وہی سلوک اچھا سمجھا جائے گا جو اس پاک اسوہ کے مطابق ٹھیک اُترے گا۔ (چالیس جواہر پارے صفحہ ۷۸۔۸۰)

مَنہ از بہرِ ما کُرسی کہ ماموریم خدمت را

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دن ایک ایسی عورت حاضر ہوئی جس کے اندر کچھ دیوانگی تھی۔ اس نے آکر حضورؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور کہا حضور مجھے آپؐ سے کچھ کام ہے۔

آپؐ نے فرمایا اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے گی میں جاکر تیرا کام کر دوں گا۔ چنانچہ حضورؐ اس کے ساتھ چلتے گئے اور وہ حضورؐ کو مختلف گلیوں میں لئے پھرتی رہی آخر مدینہ کی ایک گلی میں پہنچ کر آپؐ نے اس کی حاجت روائی کی۔

(مسلم۔ کتاب الفضائل باب قُربِ النّبیؐ من النّاس)

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق فطرت کی آواز

ایک امریکن سائنسدان کی لطیف شہادت

(فرمودہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ)

مَیں نے اپنی کتاب "ہمارا خدا" میں خدا کے فضل سے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق کئی قسم کے عقلی دلائل جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت درج کیا ہے۔ ان میں سے بعض دلائل فطرتِ انسانی کی آواز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض کائناتِ خلق کی شہادت کی بناء پر ہیں۔ اور بعض شہادتِ صالحین سے تعلق رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میری یہ کتاب خدا کے فضل سے کافی مقبول ہوئی ہے۔ اور بہت سے نوجوانوں اور خصوصاً کالجوں کے طلبہ نے اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اس تعلق میں مجھے محترم میاں عطاء اللہ صاحب سابق امیر جماعت راولپنڈی نے ایک حوالہ بھجوایا ہے۔ جس میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق ایک امریکن سائنسدان کی شہادت درج ہے۔ جو بعینہٖ اسی نوعیت کی ہے جو مَیں نے اپنی کتاب "ہمارا خدا" میں نظامِ عالم کی دلیل کے ماتحت ایک بدوی عرب کے قول کی بناء پر لکھی ہے۔ مَیں ان دونوں کو ذیل میں درج کرتا ہوں تا ناظرین یہ اندازہ کر سکیں۔ کہ کس طرح دنیا بھر کے صحیح الفطرت لوگوں کا دماغ جو ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ایک لائن پر کام کرتا چلا آیا ہے۔ مَیں نے اپنی کتاب "ہمارا خدا" میں لکھا تھا کہ:۔

"میرے سامنے اس وقت ایک عرب بدوی کا قول ہے جس سے کسی نے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ اَلْبَعْرُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ وَاَثَرُ الْقَدَمِ عَلَی السَّفِیْرِ فَالسَّمَآءُ ذَاتُ الْبُرُوْجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ اَمَا تَدُلُّ عَلٰی قَدِیْرٍ۔ یعنی جب کوئی شخص جنگل میں سے گذرتا ہُوا ایک اونٹ کی مینگنی دیکھتا ہے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس جگہ سے کسی اونٹ کا گذر ہُوا ہے اور جب وہ صحرا کی ریت پر کسی آدمی کے پاؤں کے نشان پاتا ہے تو وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہاں سے کوئی مسافر گذرا ہے۔ تو کیا تمہیں یہ زمین مع اپنے وسیع راستوں کے اور یہ آسمان مع اپنے سورج اور چاند اور ستاروں کے دیکھ کر اس طرف خیال نہیں جاتا کہ ان کا بھی کوئی بنانے والا ہو گا؟ اللہ اللہ! کیا ہی سچا اور کیا ہی فصیح

سے خالی مگر دانائی سے پُر یہ کلام ہے جو اس ریگستان کے ناخواندہ فرزند کے منہ سے نکلا۔"
("ہمارا خدا" زیر بحث کائنات خلق کی دلیل)

اَب اس کے مقابل پر ناظرین پروفیسر ایڈون کانکلن پرنسٹن یونیورسٹی کا قول ملاحظہ کریں جو امریکہ کے مشہور رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ بابت ماہ مئی ۱۹۵۶ء کے صفحہ ۸۰ پر چھپا ہے۔ اور اخبار ٹائمز سٹار سن سٹی سے نقل کیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب جو ایک بہت مشہور سائنس دان اور پیدائش خلق کے مضمون کے ماہر سمجھے جاتے ہیں فرماتے ہیں:-

"یہ خیال کہ زندگی کا آغاز محض کسی اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں ہوا ہے۔ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ لغت کی ایک مکمل کتاب کسی چھاپہ خانہ کے اتفاقی دھماکے کے نتیجہ میں خود بخود چھپ گئی تھی۔"

ناظرین ملاحظہ کریں کہ کس طرح عرب کے قدیم ناخواندہ بدوی اور امریکہ کے جدید تعلیم یافتہ سائنسدان پروفیسر اس معاملہ میں بعینہٖ ایک رستہ پر گامزن ہوئے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد وہ قرآن مجید کی اس آیت پر نظر ڈالیں۔ جہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"فی انفسکم افلا تبصرون"
یعنی اے مشرق و مغرب کے لوگو! تم سب ہمارے ہاتھ کی پیدائش ہو۔ پس اپنی فطرتوں پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ کیا ان میں خدا کی ہستی کے نشان نظر نہیں آ رہے؟"

حضرت مسیح موعود نے منکرین خدا کے متعلق خدا کو مخاطب کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ:- ؎

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

بس اس سے زیادہ اس مختصر نوٹ میں اور کیا کہا جائے۔

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

جن دوستوں کا چندہ ختم ہے اُن سے درخواست ہے کہ وہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی چندہ بھجوا کر ممنون فرمائیں وی پی نہ منگوائیں کیونکہ وی پی پر چھ روپے زائد خرچ آتے ہیں۔ (مینجر ماہنامہ خالد و تشحیذ الاذہان۔ ربوہ)

کُلّ العِلم فی القرآن

القمر

(قسط اول)

یہ مقالہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو جامعہ احمدیہ ہال میں پڑھا گیا۔ (ادارہ)

مکرم مرزا محمد الدین صاحب ناز۔ استاذ الجامعہ ربوہ

دو سال ہوئے خاکسار نے جامعہ احمدیہ کے ہال میں "قرآن کریم اور سائنس" کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ الودود نے بحیثیت صدر مجلس طلبائے سابق جامعہ احمدیہ اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔ حضور پُرنور نے اپنے پُرمعارف صدارتی خطاب میں جہاں اس مضمون کی نزاکت کے سبب احتیاطی پہلو اختیار کرنے کے لئے بیش قیمت زرّیں ہدایات سے نوازا وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم کی عظمت کے پیشِ نظر بعض بیان شدہ بنیادی حقائق کی تفصیلات میں جاکر انوارِ قرآنیہ کا انتشار اور تفکیر فی الآیات کے نتیجہ میں اسرارِ فرقانیہ کا اظہار عصرِ حاضر کا لازمی تقاضا ہے تا کلامِ الٰہی کا حُسن اور مرتبہ اور شرف عقولِ مادیہ پر واضح ہو۔

اشارتہ حکم و طاعتہ غنم کے مصداق ایک سلسلہ مضامین بعنوان "کُلّ العلم فی القرآن" احاطۂ تحریر میں لانے کا خیال ہے۔ اس ضمن میں پہلی کاوش "خلائی سفر" کے ذیلی عنوان کے تحت خالد میں شائع ہو چکی ہے۔ اور اب "القمر" پر اپنی گذارشات ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں۔

؎ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

اشاعت سے پہلے مضمون ہذا کو اہلِ علم کے سامنے رکھنے کا یہ مطلب ہے تا اذہان شحیذہ کی دھار اس کی تہذیب کرے اور افکارِ جدیدہ کا معیار اس کی تصویب کرے۔

یہ حقیقت ہے کہ بنیادی طور پر قرآن کریم کوئی سائنس کی کتاب نہیں۔ بلکہ معراج انسانیت کا مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ تاہم قرآن کریم کی یہ آیات

وان من شیئٍ اِلّا عندنا خزائنہ وما ننزّلہ اِلّا بقدرٍ معلوم۔

اور وما یعزب عن ربّک من مثقال ذرّۃٍ فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر اِلّا فی کتاب مبین۔

قرآن کریم کے جامع اور کتبِ قیّمہ کا مرقع ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔ جس پر عصرِ حاضر کے مشہور عارفِ اسرارِ الٰہیہ حضرت مسیح موعود کا یہ شعر شاہد و ناطق ہے۔

؎ وکلّ العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ اَفہام الرجال

○ القمر کے بارہ میں لغت میں لکھا ہے:۔

"کوکبٌ یستمدّ نورہ من الشمس فینعکس علی الارض

فیرفع ظلمۃ اللیل و ھو قمر
بعد ثلاث لیالٍ الی آخر الشھر۔
ھو مشتق من القمرۃ و
القمرۃ بیاض فیہ کُدرۃ۔
یسمی قمراً لبیاضہ"
(المنجد)

کہ یہ ایک ستارہ ہے جو آفتاب سے منور ہوکر اپنے نور کو سطحِ ارضی پر منعکس کرتا ہے۔ اور رات کے اندھیرے کو اُجالے میں بدل دیتا ہے۔ تیسری رات کے چاند سے ماہ کے آخری روز تک اس کو "قمر" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ "قمرۃ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایسی سفیدی کے ہیں جس میں سیاہ دھبے ہوں۔ اور اس کو "قمر" سفیدی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

یسمّی قمراً لبیاضہ سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اس کا وجود مستفاض ہے کیونکہ قدر نہ منازل کے تحت جتنا حصّہ سفیدی کا رنگ اختیار کرتا جائے گا قمر کی منزل کو متعین کرتا چلا جائے گا۔ اگر اس کی روشنی ذاتی ہوتی تو سارا حصّہ چمکنا ضروری تھا۔

قمر کے بارے میں تین نظریات ہیں :۔

(۱)۔ جن میں سے یہ نظریہ معروف و متداول رہا ہے۔ گو اب اس کو سائنس دان چھوڑتے جا رہے ہیں کہ قمر زمین کا ایک ٹکڑا ہے جو اوائل میں ہی الگ ہوکر زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے اس کے گرد مدار میں گھومنا شروع ہوگیا۔

(۲) یہ ایک ہی مادے سے TWIN OBJECTS ہیں زمین کمیت میں بڑی اور گرم ہونے کے باعث ترقی کرکے حیات کے قابل ہوگئی جبکہ قمر چھوٹا اور کمزور ہونے کی وجہ سے سرد ہوکر زندگی کے آثار کھو بیٹھا۔

(۳)۔ قمر کی کائنات میں کسی اور جگہ FORMATION ہوئی۔ لیکن بعد میں یہ اپنے سفر کے دوران زمین کی کشش کا شکار ہوگیا اور اس کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔

جہاں تک نئے اندازِ فکر کا تعلق ہے وہ آخری دو نظریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ ARTHUR BEISER لکھتا ہے :۔

"INDEED MODERN THOUGHT ON THE FORMATION OF THE SOLAR SYSTEM REGARDS THE MOON AS A LEGITIMATE PLANET, WHICH EITHER TOOK SHAPE AS A NEAR TWIN FORM THE SAME COSMIC RAW MATERIAL WITH WHICH THE EARTH BEGAN OR, FORMING ELSE WHERE IN THE SAME GENERAL ZONE, WAS CAPTURED LATER BY THE EARTH."

آیتِ قرآنی " الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰتٍ طباقاً وجعل القمر فیھنّ

نُورًا وجعل الشمس سراجًا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو درجات میں تخلیق کیا۔ اور ان میں "قمر" کو نور بنایا اور شمس کو سراج بنایا۔ پس قمر کا "ORIGIN" حق قرار دیا ہے۔ جو تیسرے نظریے کی زیادہ تائید کر رہا ہے اور یہی نظریہ سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق اصح ہے۔

جہاں تک پہلے نظریہ کا تعلق ہے۔ اس کی نفی ایک اور آیتِ قرآنی سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا:-

والقمر قدّرنٰہ منازل حتّٰی
عاد کالعرجون القدیم
(یٰسین)

اس میں میرے نزدیک "القدیم" قمر کی صفت ہے۔ کیونکہ شاخ کی صفت القدیم قرار دینے میں وہ حُسن اور معنویت پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے مقابل پر زمین کے لئے القدیم کا لفظ استعمال نہیں ہُوا۔ جن سے بعض سائنسدانوں کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ قمر کی عمر زمین کی عمر سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اپالو کے مشن سے یہ بات منصۂ شہود پر آئی کہ

"چاند سے لائی جانے والی چٹانوں کے تجزیہ سے سائنسدانوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چاند یقینی طور پر ایک بہت ہی پرانا سخت اور چمکدار کرّہ ہے۔ بعض نے نظامِ شمسی کے آغاز میں ہی اس کی سطحی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔"

القمر جو زمین سے ۲۴۰،۰۰۰ میل کے فاصلے پر ۲،۱۶۰ میل قطر کا ایک کرّہ ہے، کی ساخت کے بارہ میں اختلاف رہا ہے۔ بعض سائنسدان "COLD MOON" کا تصوّر رکھتے تھے لیکن جو چٹانیں وہاں سے لائی گئیں ان کے تجزیہ سے علم ہوتا ہے کہ چاند "IGNEOUS" ہے یعنی کبھی چٹانیں پگھلا ہُوا مادّہ تھا جو اَب ٹھوس شکل اختیار کر چکا ہے۔ ان کے نزدیک زمین کی طرح چاند کا اندرونی حصّہ گرم ہے اور اس پر آتش فشانی کا عمل ہوتا رہا ہے۔ بعض کا نظریہ یہ ہے کہ چاند سرد بھی ہے اور گرم بھی ہے۔ اس کا دل گرم ہے اور بیرونی حصّہ سرد ہے اور ۲۵۰ میل کی ایک موٹی سطح گرم باطن کو گھیرے ہوئے ہے۔ بہرحال یہ ثبوت میّسر ہے کہ چٹانوں کے نمونے اس کے کسی وقت پگھلے ہوئے مادّے پر مشتمل ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور آتش فشانی سیالی لاوہ کے مرحلے سے گذرنے کا علم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

وجعل الّیل سکنا والشمس
والقمر حُسبانًا ذٰلك تقدیر
العزیز العلیم۔

کہ رات کو ساکن بنایا اور سورج اور چاند کو حُسبان بنایا۔ یہ عزیز اور علیم صفات رکھنے والے خدا کا اندازہ ہے۔ حُسبان کے معنے آگ کے شعلہ کے بھی ہیں۔ گویا سورج اور چاند بنیادی طور پر آگ یا آتش فشانی مادّہ سے مرکب تھے۔ لیکن ان میں سے جو کرّہ حجم کے لحاظ سے بہت بڑا تھا اور اپنی انفرادیت رکھتا تھا وہ حُسبان کی اعلیٰ ترین شکل میں قائم رہا اور منبع حرارت قرار پانے کے باعث کئی اور کرّوں پر ضیاء پاشی کرتا رہا ابھی تک وہ اسی دَور سے گزر رہا ہے۔ اور جو کرّہ حجم کے لحاظ سے چھوٹا تھا جو حفاظتی کے سامان نہ کر سکا وہ حسبان کی تمام کیفیات کا مورد بنا۔ چنانچہ

لغت میں حُسبان کے درج ذیل معنی درج ہیں :۔

(۱) النّار (۲) البردۃ (۳) العجاج

کہ چاند آتش فشاں کے لاوہ سے مرکب ہے۔ پھر یہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور شہاب کی سنگ باری کے نتیجہ میں سطح گرد و غبار سے اَٹی ہوئی ہے۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔

خسف القمر میں اسی بنیادی نکتہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ شمس کے لئے قرآن کریم نے خسف اور کسف دونوں میں سے کوئی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ جمع الشمس والقمر کہا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

چنانچہ خسف کے معنی ہے المهزول، المتغیر اللون والخسوف معناہ آبار گویا کہ چاند وقت کے ساتھ ساتھ اپنی آب و تاب کھوتا رہا اور کمزور پڑتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی صفت ناری صفت نوری میں تبدیل ہو گئی اور اس میں بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے۔

چاند کے موٹے موٹے دو حصے TRANQUILLITY OCEAN OF STORMS اور BASE جن میں سے TRANQUILLITY BASE کی چٹانیں دیر سے جامد ہیں۔ جبکہ OCEAN OF STORMS لاوا کی شکل میں تھا اور اس میں سیال مادّہ کے بہنے کے آثار ہیں اور بڑے بڑے گھاؤ ہیں۔ چنانچہ قمر کا ایک نام "غاسق" بھی آیا ہے۔ ظلمت کے علاوہ غاسق کے معنی (۱) بہہ پڑنے کے ہیں اور (۲) البارد الشدید البرد الذی یحرق من بردہ اور (۳) المنتن کے ہیں۔

چنانچہ غاسق کے لفظ میں چاند کے بارے میں کئی حقائق بیان کر دیئے گئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ خود تاریک ہے۔ دوسرے[۲] یہ کہ اپنے دَور میں یہ سخت گرم تھا اور آگ کا شعلہ تھا۔ لیکن بعد میں یہ آہستہ آہستہ بالکل سرد ہو گیا۔ جیسا کہ حُسبان کے لفظ میں بھی اس کی انہی خصوصیات کا ذکر پہلے بیان کر چکا ہوں۔ تیسرے[۳] یہ کہ اس کا ایک حصّہ سیال لاوہ سے تشکیل پایا ہے اور دوسرا حصّہ دیر سے منتن چیز کی طرح اپنا اصلی روپ کھو کر سرد ہو چکا ہے۔ آج بھی یہ حقیقت اس طرح سے صادق آتی ہے کہ چاند کا سورج کی طرف والا حصّہ ۱۳۴ ڈگری درجہ حرارت رکھتا ہے جو سخت گرم ہے اور دوسری طرف جہاں رات ہے اس کا درجہ حرارت ۱۵۳- ڈگری ہے جو سخت سرد ہے۔

چاند کی کیمیائی ترکیب میں یہ بات چٹانوں کے تجزیہ سے سامنے آئی کہ ان کی سطح پر بے شمار شیشوں کے ذرّات چپٹے ہوئے ہیں اور وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ وہ چمکدار ہیں اور ان کی سطح ہموار ہے۔ ان ذرّات کی وجہ سے پتھر میں چمک ہے اور یہ روشنی کے انعکاس میں ممد و معاون ہے۔ اسی لئے آیت قرآنی میں ضیاء کی بجائے نور کہا گیا۔ فرمایا

هو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً

کہ آفتاب روشنی کا منبع ہے اور چاند اس سے انعکاس کرنے کی صورت میں روشنی کا سبب بنتا ہے۔

جہاں تک ان بے شمار ذرّات کا تعلق ہے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ چاند کی سطح پر یہ دو صورتوں میں جمع ہوئے

ہیں۔ پہلی یہ کہ مدارِ ارضی میں گرفتار ہونے سے پہلے چاند جب خلا میں سے گذر رہا تھا تو اس پر غبار ارضی گرد اور گیسز کی تہیں جمتی رہیں۔ دوسری یہ کہ شہابِ ثاقب کے گرنے کی وجہ سے غبار یہ شکل اختیار کر گیا۔ اور حُسبان کے معنی "العجاج" کی حقیقت واضح ہوئی کہ چاند کی سطح گرد و غبار سے اَٹی ہوئی ہے۔

چاند کی سطح کٹی پھٹی ہے جس کے بارہ میں لکھا ہے کہ :-

(ترجمہ) "سب سے زیادہ قابلِ ذکر چاند کی بناوٹ میں CRATERS ہیں جو کہ مختلف سائزوں میں ہیں۔ بعض تو ۲۰۰ کلومیٹر یا اس سے بھی زیادہ قطر کے ہیں اور ان سے چاند کی سطح اَٹی پڑی ہے۔ چاند کی سطح کافی گہرائی تک ٹوٹے پھوٹے مادہ سے تشکیل شدہ ہے اور سخت مادّہ کے ٹکڑے سطح کے اوپر بھی بکھرے پڑے ہیں"۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے واقعہ میں چاند کی ایک صفت بازغاً بتائی ہے۔

فلمّا رأی القمر بازغاً

جب اس نے چاند طلوع ہوتے دیکھا۔

بازغاً کے معنی چمکنے کے بھی ہیں۔ اسی طرح بَزِغ کا معنی شقّ و شرّط کے بھی ہیں۔ یعنی پھٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اُوپر والی عبارت کے لفظ لفظ کو قرآن کریم تفصیل سے بیان کر رہا ہے۔ کہ چاند کی اندرونی سطح میں میلوں تک شگاف پڑے ہوئے ہیں۔ اور بیرونی سطح پر بے شمار ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں۔ خسوف کے معنی جو آبار یعنی کنوئیں کھُدے گئے ہیں۔ اس میں بھی اسی طرف اشارہ موجود ہے۔ کیا ہی وجد آفرین کتاب ہے جس کا ہر ہر لفظ در نایاب ہے۔

پھر چاند کی سطح اس وجہ سے بھی کٹی پھٹی ہے کہ سقف محفوظ نہ ہونے کے باعث بے شمار شہاب ثاقب گرتے ہیں۔ اور بعض شہاب اتنے زور سے گرے اور حجم میں اتنے بڑے تھے کہ چاند کے اندر میلوں میل دھنس گئے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا میں تحریر ہے کہ :-

"سب سے زیادہ اہم اور نمایاں امر یہ ہے کہ قمر کے حصّہ MARE IMBRIUM میں ایک بہت بڑا دھماکہ ہُوا۔ ایک ۱۶۰ کلومیٹر قطر کا شہابِ شمال مشرقی سمت سے قریباً عمودی حالت میں چاند پر گرا۔ جس نے چاند کے اندر گہرا غار ڈال دیا۔ اور اس کے اور چاند کے ٹکڑے دھماکہ والی جگہ سے دو ہزار کلومیٹر دُور جا گرے"۔

اس سے سائنسدان یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ چاند کی سطح پر شگاف اور غار ہیں لمبے عرصہ تک شہابِ ثاقب کے گرنے اور ان کے زور سے پھٹنے کی وجہ سے ہیں۔ فرمایا :-

اقتربت الساعة وانشق القمر

کہ اے پیارے رسولِ خدا تعالیٰ کی ان لامنتہا قدرتوں میں سے جو ایک انسان کی عقل سے بالا تر ہیں آج ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہونے والا ہے۔ اور چاند پر اب تک کے گرے ہوئے سب شہابیوں میں سے سب سے بڑا شہاب تیری عظمت کے نشان اور معجزہ کی خاطر گرنے والا ہے۔ قدرت میری ظاہر ہوگی لیکن اس کی نشاندہی تیری انگلی کرے گی۔ اور

یہ معجزہ چشمِ عالم نے ظاہری طور پر پورے ہوتے دیکھا۔ جیسا کہ عصرِ حاضر کے حکم و عدل نے بھی یہی تشریح فرمائی ہے۔

انشق القمر کا مطلب ہے انفتحت فیہ فرجۃ وانصدع جو اپنے ظاہری رنگ میں پورا ہوا۔ سطح ارضی سے آج بھی غاریں نظر آتی ہیں۔

انشق کا ایک معنی بَعُدَ بھی ہیں یعنی دُور ہو گیا۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو یہ آخری زمانے تک کے لئے ایک مستقل اصول بتایا ہے کہ زمین سے چاند دُور ہو رہا ہے۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ :-

"چاند زمین سے دُور ہو رہا ہے۔ جس کا اندازہ مدوجزر کی تبدیلیوں سے لگایا جا سکتا ہے"۔

(باقی آئندہ شمارہ میں)

تکبّر — تمام بدیوں کی جڑ

(جنابِ نذیر احمد خادم ۔ ربوہ)

اللہ جلّ شانہٗ ذوالجلال والاکرام ہی ہر خوبی و محبوبی، ہر عزّت و عظمت، ہر کبریائی و بڑائی اور ہر اعلیٰ و اکمل تعریف و توصیف اور حمد و ثنا کا حقدار ہے۔ عاجز انسان کی خیر عاجزی و انکساری میں ہے۔

انسان ضعیف البنیان اگر کوئی اچھا اور مفید کام کرلے تو اسے محض فضلِ الٰہی سمجھے اس میں اپنی کسی خوبی یا طاقت و ہُنر کو شریک قرار نہ دے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا نہ فرمائے، اچھی صحت، اچھا ذہن اور ضروری وسائل سے نہ نوازے تو انسان کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ خدا توفیق نہ دے تو اپنے مُنہ سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتا۔ پس اگر وہ کوئی ترقی کرتا یا کسی کو کچھ فائدہ پہنچاتا ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ پڑھے، ربِ رحمان و منّان کا شُکر ادا کرے جس نے اُسے ایسا بننے یا کرنے کی توفیق بخشی اور جس کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کر کے ہی اُس نے فائدہ اُٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

تکبّر — اپنی بڑائی کا احساس، دوسروں کو حقیر سمجھنا، اپنی رائے کو دوسروں سے بہتر خیال کرنا — کم حیثیت اور غریب افراد کی بات توجہ سے نہ سُننا، اپنے انسان بھائی سے اپنے آپ کو کسی بھی اعتبار سے بہتر و برتر خیال کرنا، اپنی رائے، ارادہ اور مرضی دوسروں پر مسلّط کرنا — یہ سب ایسی باتیں ہیں جو جہالت پر مبنی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کمی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی اور تکبّر ایسے تباہ کُن مرض میں انسان کو مبتلا کر دیتی ہیں۔ اِس سرائے فانی میں جن خوش نصیبوں نے کوئی نمایاں کام کرنے کی توفیق پائی یا نیک نامی کے ساتھ شہرتِ عام اور بقائے دوام حاصل کی اُن سب کی ایک مشترک خوبی بنی نوعِ انسان سے ہمدردی و غمگساری اور عاجزیٔ انکساری تھی۔ وہ خادم القوم بن کر مخدوم بھی بنے تو زبانِ حال سے اِس شعر کی تصویر نظر آئے کہ ؎

خاکساری اپنی کام آئی بہت
ہم نے ہر اَدنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

جیسا کہ اُوپر ذکر ہوچکا ہے کہ ہر سروری و سرفرازی، ہر عظمت و جلالتِ شان اور ہر جلال و کمال اور بڑائی خدائے قادر و توانا کے لائق ہے۔ انسان کو تو خدا تعالیٰ کا یہی تاکیدی ارشاد ہے کہ:۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (لقمان ع ۲)

اور زمین پر تکبّر سے مت چلو۔ اللہ یقیناً ہر شیخی کرنے والے اور فخر کرنے والے سے پیار نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات میں سے یہ صفت بھی بیان فرماتا ہے کہ :-

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ٥

(الفرقان ع ۶)

اور رحمٰن کے (سچے) بندے وہ ہوتے ہیں جو زمین پر آرام سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ اُن سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ (لڑتے نہیں بلکہ) کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

ہمارے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ :-

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ۔

(مسلم)

جس کے دِل میں ایک ذرہ بھی تکبّر ہوگا وہ جنّت میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اِس فرمانِ نبوی کو سُنکر ایک شخص نے عرض کیا کہ اِنسان چاہتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو، جُوتا اچھا ہو (اور وہ خوبصورت دکھائی دے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ بات تکبّر میں شامل نہیں) اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور حُسن وجمال کو پسند فرماتا ہے ہاں

اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ۔

تکبّر تو یہ ہے کہ انسان حق کا اِنکار کرے۔ لوگوں کو ذلیل سمجھے اور اُن سے بُرا سلوک کرے۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود فرماتے ہیں :-

(۱) "بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اُنہوں نے ..... اخلاقی بدیوں سے خلاصی پالی ہے لیکن جب کبھی کوئی موقع آجاتا ہے اور کسی آدمی سے مقابلہ ہوجاتا ہے تو اُس وقت اُس کو بڑا جوش آجاتا ہے۔ اپنے تعلّی اور کبر کے خیال کو دبا نہیں سکتا پھر وہ گند اُس سے ظاہر ہوتے ہیں جن کا وہم وگمان بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اُس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی اُس نے خلاصی نہیں پائی اور ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا ..... اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اُس کے فضل کو جذب کرنے کے لئے ..... تین پہلو ہیں یعنی اوّل مجاہدہ اور تدبیر دوم دعا سوم صُحبتِ صادقین"۔ (تقریریں صفحہ ۱۸)

(۲) "شرک کے بعد تکبّر جیسی اَور کوئی بَلا نہیں۔ یہ ایک ایسی بَلا ہے جو دونوں جہان میں انسان کو رُسوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا رحم ہر ایک موحّد کا تدارک کرتا ہے مگر متکبّر کا نہیں۔ شیطان بھی موحّد ہونے کا دم مارتا تھا مگر چونکہ اُس کے سر میں تکبّر تھا اور آدم کو جو خدا تعالیٰ کی نظر میں پیارا تھا جب اُسنے توہین کی نظر سے دیکھا اور اُس کی نکتہ چینی کی اِس لئے وہ مارا گیا اور طوقِ لعنت اُس کی گردن میں ڈالا گیا سو پہلا گناہ جس سے ایک شخص ہمیشہ کے لئے ہلاک ہؤا تکبّر ہی تھا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۹۸)

(۳) "تکبّر اور شرارت بُری بات ہے۔ ایک ذرّہ سی بات سے ستر برس کے عمل ضائع جاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک شخص عابد تھا وہ پہاڑ پر رہا کرتا تھا اور مدّت سے وہاں بارش نہ ہوئی تھی، ایک روز بارش ہوئی تو پتّھروں پر اور رُوڑیوں پر بھی ہوئی تو اُس کے دل میں اعتراض پیدا ہؤا کہ ضرورت تو بارش کی کھیتوں اور باغات کے واسطے ہے یہ کیا بات ہے کہ پتھروں پر ہوئی۔ یہی بارش کھیتوں پر ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اُس کا سارا ولی پُنا چھین لیا۔ آخر وہ بہت سا غمگین ہؤا اور کسی اَور بزرگ سے استمداد کی تو آخر اُس کو پیغام آیا کہ تُو نے اعتراض کیوں کیا تھا تیری اس خطا پر عتاب ہؤا ہے۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۵۷)

(۴) "تکبّر ایسی بَلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یاد رکھو تکبّر شیطان سے آتا ہے اور تکبّر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے جب تک انسان اِس راہ سے قطعًا دُور نہ ہو قبولِ حق و فیضانِ الوہیّت ہر گز نہیں پا سکتا کیونکہ تکبّر اس کی راہ میں روک ہو جاتا ہے۔ پس کِسی طرح سے بھی تکبّر نہیں کرنا چاہیئے علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے کیونکہ زیادہ تر تکبّر انہی باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک انسان اپنے آپ کو ان گھمنڈوں سے پاک وصاف نہ کرے گا اُس وقت تک وہ اللہ جلّ شانہٗ کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہو سکتا..... کیونکہ گھمنڈ شیطان کا حِصّہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے یہی گھمنڈ کیا اور اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھا اور کہہ دیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (پ ۲۳ ع ۱۴) نتیجہ اِس کا یہ ہؤا کہ بارگاہِ الٰہی سے مردود ہو گیا۔" (تقریریں صفحہ ۱۹)

(۵) "تکبّر کئی قِسم کا ہوتا ہے کبھی یہ آنکھ سے نکلتا ہے جبکہ دوسرے کو گھُور کر دیکھتا ہے تو اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، کبھی زبان سے نکلتا ہے اور کبھی اس کا اظہار سر سے ہوتا ہے اور کبھی ہاتھ اور پاؤں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ غرضیکہ تکبّر کے کئی چشمے ہیں اور مومن کو چاہیئے کہ ان تمام چشموں سے بچتا رہے اور اس کا کوئی عضو ایسا نہ ہو

جس سے تکبر کی بُو آوے اور وہ تکبر ظاہر کرنے والا ہو۔ صوفی کہتے ہیں کہ انسان کے اندر اخلاقِ رذیلہ کے بہت سے جِنّ ہیں اور جب یہ نکلنے لگتے ہیں تو نکلتے رہتے ہیں مگر سب سے آخری جِنّ تکبر کا ہوتا ہے جو اس میں رہتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انسان کے سچے مجاہدہ اور دعاؤں سے نکلتا ہے۔ بہت سے آدمی اپنے آپ کو خاکسار سمجھتے ہیں لیکن ان میں بھی کسی نہ کسی نوع کا تکبر ہوتا ہے اس لئے تکبر کی باریک در باریک قسموں سے بچنا چاہیئے۔ بعض وقت یہ تکبر دولت سے پیدا ہوتا ہے۔ دولت مند متکبر دوسروں کو کنگال سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کون ہے جو میرا مقابلہ کرے۔ بعض اوقات خاندان اور ذات کا تکبر ہوتا ہے، سمجھتا ہے کہ میری ذات بڑی ہے اور یہ چھوٹی ذات کا ہے..... بعض وقت تکبر علم سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص غلط بولتا ہے تو یہ جھٹ اُس کا عیب پکڑتا ہے اور شور مچاتا ہے کہ اس کو تو ایک لفظ بھی صحیح بولنا نہیں آتا۔ غرض مختلف قسمیں تکبر کی ہوتی ہیں اور یہ سب کی سب انسان کو نیکیوں سے محروم کر دیتی ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچانے سے روک دیتی ہیں اِن سے بچنا چاہیئے۔"

(ملفوظات جلد ششم صہ ۴۰۱، ۴۰۲)

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا

خُدا چاہتا ہُوں

(جنابِ نصیر احمد قمر ربوہ)

کریں رشک جس پہ فرشتے بھی سارے
وہ عرفان و نورِ خُدا چاہتا ہوں

نہ بھٹکوں مَیں منزل سے ہرگز کبھی بھی
مَیں ایسی ہی راہِ ھُدیٰ چاہتا ہوں

نہ مَسند نہ منبر کی خواہش ہے مجھ کو
فقط اِک کرم کی نگاہ چاہتا ہوں

"مِری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"
"ہوں بندہ مگر مَیں خدا چاہتا ہوں"

اسے جب سے دِل میں بٹھایا ہے مَیں نے
محبت میں اس کی لُٹا چاہتا ہوں

محبت میں اس کی فنا ہو چکا ہوں
مگر اب بقا، پھر لِقا چاہتا ہوں

جو مالک ہے سب کا، جو حاکم ہے سب پر
اسی سے مَیں عشق و وفا چاہتا ہوں

ہوں کمزور، عاجز، گنہگار بندہ
مگر اس کی بخشش، عطا چاہتا ہوں

الٰہی عنایات کو کھینچ لے جو
مَیں ایسی ہی آہ و بکا چاہتا ہوں

عدو بڑھ رہا ہے شرارت میں ہر دم
مَیں قُربت میں اُس کی بڑھا چاہتا ہوں

عبداللہ بن مبارکؒ اور ایک نیک خاتون

حضرت عبداللہ بن مبارک ایک دفعہ حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض سے سفر کر رہے تھے۔ اثنائے راہ میں انہوں نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جو ایک درخت کے تنے کے پاس بیٹھی تھی اور بڑی پریشان حال نظر آ رہی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اس کے قریب گئے اور کہا۔

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکِ وَرَحْمَةُ اللّٰہ"

اس نے جواب میں کہا سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْمِ یعنی سلام بڑے مہربان ربّ کا قول ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ۔ خدا تم پر رحمت کرے تم یہاں کیا کر رہی ہو۔

بڑھیا۔ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ یعنی جس کو اللہ بھٹکا دے اس کو راہ پر لانے والا کوئی نہیں۔ (مطلب یہ کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔)

عبداللہؒ۔ کہاں جا رہی ہو؟

بڑھیا۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ یعنی پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔ (مطلب یہ کہ مکہ معظمہ سے بیت المقدس کو جا رہی ہوں۔)

عبداللہؒ۔ تم یہاں کب سے پڑی ہو؟

بڑھیا۔ ثَلَاثَ لَیَالٍ سَوِیًّا یعنی متواتر تین رات سے۔

عبداللہؒ۔ تمہارے پاس کھانے پینے کی تو کوئی شے نہیں۔ پھر تم نے یہ عرصہ کیسے گذارا۔

بڑھیا۔ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ (وہ خدا مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔) یعنی کہیں نہ کہیں سے رزق مہیا ہو جاتا ہے۔

عبداللہ۔ تم وضو کس چیز سے کرتی ہو۔

بڑھیا۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا۔ (اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک شے سے تیمم کرو۔) یعنی پانی یہاں دستیاب نہیں ہے اس لئے پاک مٹی سے تیمم کر لیتی ہوں۔

عبداللہ۔ یہ کھانا حاضر ہے کھا لو۔

بڑھیا۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ (پھر روزے رات کے آغاز تک پورے کرو۔) یعنی میں روزے سے ہوں۔

عبداللہ۔ یہ رمضان کا مہینہ تو نہیں ہے۔

بڑھیا۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ (اور جو نفل کے طور پر نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (یعنی میرا

نفلی روزہ ہے۔)

بڑھیا: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم جانتے ہو۔)

عبداللہ۔ جس طرح میں تم سے باتیں کرتا ہوں اسی طرح تم مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتیں۔

بڑھیا۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (وہ آدمی) کوئی بات نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ اس کے پاس ایک مستعد نگہبان ضرور ہوتا ہے۔

یعنی انسان کو اپنی ہر بات کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اس لئے میں قرآن ہی سے بات کرتی ہوں۔

عبداللہؒ۔ تم کس قبیلے کی عورت ہو۔

بڑھیا۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ جو بات نہیں معلوم نہ ہو اس کے درپے نہ ہو۔ بے شک کان، آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔

عبداللہؒ۔ مجھ سے قصور ہوا۔ معاف کردو۔

بڑھیا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمہیں بخش دے۔

عبداللہ۔ میری اونٹنی حاضر ہے۔ اس پر بیٹھنا پسند کرو تو جہاں چاہو پہنچا دوں گا۔

بڑھیا۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰہُ۔ (اور تم جو نیکی کرتے ہو۔ اللہ اسے جانتا ہے۔ (یعنی وہ اس کا اجر دے گا)۔

عبداللہؒ۔ اچھا تو سوار ہو جاؤ! (یہ کہہ کر انہوں نے اپنی اونٹنی بڑھیا کے قریب بٹھا دی)۔

بڑھیا۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ وَسُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

ایمانداروں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور پاک ہے وہ رب جس نے ہمارے لئے اس (سواری) کو مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کے لائق نہ تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹیں گے۔

یہ سن کر حضرت ابن مبارکؒ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور وہ بڑھیا اونٹنی پر بیٹھ گئی۔ اب عبداللہؒ نے اونٹنی کی نکیل پکڑلی اور بلند آواز کے ساتھ حدی کرتے ہوئے اونٹنی کو تیز تیز ہانکنے لگے۔ بڑھیا نے اونٹنی پر سے پکارا۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ۔ (اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز پست کرو۔

یہ سنکر عبداللہؒ آہستہ آہستہ چلنے لگے اور اپنی آواز بھی پست کرلی۔ اب بڑھیا نے یوں کہا۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ پھر قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔ (یعنی ان اشعار سے تو بہتر ہے کہ قرآن ہی پڑھتے چلو۔

تھوڑی دور آگے جا کر عبداللہ نے پوچھا۔ اے

خاتون کیا تمہارے شوہر ہیں ؟ ۔

بڑھیا۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ

اَے ایمان والو ایسی باتوں کے بارے میں نہ پوچھو جو اگر تم پر ظاہر ہوجائیں تو ناگوار معلوم ہوں۔ یعنی تم کو اس سوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیوں پوچھتے ہو ؟ ۔

عبداللہ خاموش ہوگئے اور چلتے چلتے قافلہ میں جا پہنچے۔ اَب انہوں نے خاتون سے پوچھا کہ قافلہ میں تمہارا کوئی عزیز یا رشتہ دار ہے ؟

بڑھیا۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔ (یعنی میرے بیٹے قافلہ میں موجود ہیں)

عبداللہ۔ کچھ پتہ بتاؤ تو میں ان کو تلاش کروں۔

بڑھیا۔ وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ۔ اور علامتیں ہیں اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں۔ (یعنی وہ قافلہ کے راہبر ہیں)۔

عبداللہ۔ کیا تم ان کے نام بتا سکتی ہو۔

بڑھیا۔ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا۔ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ۔

اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا اور موسیٰ سے کلام کیا۔ اے یحییٰ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔

(یعنی میرے بیٹوں کے نام ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ ہیں)

عبداللہ نے قافلہ میں ان ناموں کو پکارنا شروع کیا تو نوجوان فوراً قافلے سے نکل کر حاضر ہوگئے۔ انہوں نے اپنی ماں کو اونٹنی سے اتارا اور عبداللہ سے باتیں کرنے لگے۔

بڑھیا۔ (اپنے لڑکوں سے) فَابْعَثُوْا اَحَدَکُمْ بِوَرِقِکُمْ ھٰذِہٖ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّھَا اَزْکٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْہُ۔

اپنے لوگوں میں سے کسی کو اپنے اس ورق (سکہ) کو دے کر شہر میں بھیجو اور اسے چاہیئے کہ وہ دیکھے کہ کونسا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے۔ پھر اس میں تمہارے پاس روزی لے آئے۔ (یعنی شہر جاکر کھانا لاؤ اور عبداللہؓ کو کھلاؤ۔)

یہ سنتے ہوئے ایک نوجوان دوڑا ہوا شہر گیا اور جو کچھ ملا لا کر عبداللہؓ کے سامنے رکھ دیا۔ بڑھیا نے اَب عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ۔ ہنسی خوشی کھاؤ پیو۔ بہ سبب اس اچھے کام کے جو تم نے گذشتہ ایام میں کیا۔

عبداللہؓ حیران تھے کہ الٰہی اس ضعیفہ کو قرآن پر کس قدر مہارت ہے۔ اس کے لڑکوں نے ان کو بتایا کہ ان کی والدہ گذشتہ چالیس برس سے آیاتِ قرآن کے ذریعہ ہی گفتگو کر رہی ہیں۔ یہ اس لئے کہ مبادا کوئی ایسا لفظ زبان سے نکل جائے جس کی قیامت کے دن باز پرس ہو۔

(سبحان اللہ۔ ایسے تقویٰ اور حفظِ لسان کی مثال شائد ہی تاریخ میں مل سکے)۔

(حکایاتِ صوفیہ۔ مطبوعہ شعاع ادب صـ۷۳ تا ۷۹)

شان اُس کی بڑی نرالی ہے

کس سے عشق و وفا کی بات کریں
کس سے ظلم و جفا کی بات کریں

کس سے شکوہ کریں جفاؤں کا
کس سے دِل کی صدا کی بات کریں

توڑ کر دِل کو کیوں نہ دُنیا سے
اِک حسین دِلرُبا کی بات کریں

جو حسین تر ہے سب حسینوں سے
حُسنِ ارض و سما کی بات کریں

ذات جس کی سدا سے یکتا ہے
اُس کی حمد و ثنا کی بات کریں

جس کی چاہت میں ایک لذّت ہے
اُس سے پیار و وفا کی بات کریں

اُس کو معبُود مان کر اُس سے
عہدِ صدق و صفا کی بات کریں

وہ جو سُنتا ہے سب دُعاؤں کو
جب بھی دل سے دُعا کی بات کریں

اُس سے مانگیں اُسی کی رحمت کو
اُس کی بخشش رضا کی بات کریں

ابتلاؤں کے سخت طوفاں میں
عزمِ صبر و دُعا کی بات کریں

آستانہ پہ اُس کے رو رو کر
اپنی حفظ و بقا کی بات کریں

اپنے بندوں کی دستگیری کر
اُس سے اس اِلتجا کی بات کریں

حق و باطل میں فیصلہ کر دے
اُس سے بہتر قضا کی بات کریں

وہ جو مالک ہے سارے مُلکوں کا
اُس سے ہی ہر جزاء کی بات کریں

شان اُس کی بڑی نرالی ہے
اُس کی کس کس ادا کی بات کریں

ساتھ دیتا ہے وہ سدا اُن کا
جو بھی اُس سے وفا کی بات کریں

چھوڑ بیٹھی ہے جس کو سب دُنیا
آؤ آج اُس خُدا کی بات کریں

(سراج الحق قریشی) ربوہ

جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاک فضائیہ کے شاہینوں کی جانبازی کے واقعات پر مشتمل جناب انور بیگ کی کتاب "پُرفشاں مجاہد" سے چند اوراق ہدیۂ قارئین ہیں۔ (ادارہ)

سکوڈرن لیڈر منیر الدین پاک فضائیہ میں ایک نڈر، ماہر ہوا باز تسلیم کئے جاتے تھے۔ جنگ کے پہلے پانچ دنوں میں فضائیہ کے ہوا بازوں نے بے شمار بھارتی طیاروں کو مار گرایا تھا مگر منیر الدین ابھی تک اِس خواہش کی تکمیل سے محروم تھے کیونکہ ان کے سکوڈرن کے وِنگ کمانڈر نے ان کی لُکنت کے باعث انہیں ایسی تمام مہمات سے مُستثنیٰ قرار دے رکھا تھا۔ جن میں فضائی جنگ کا اِحتمال ہو کیونکہ زبان کی لکنت فضا میں طیاروں کی دوبدو جنگ کے دَوران خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سکوڈرن لیڈر منیر الدین قدرے ہکلا کر بات کرتے تھے اور خصوصاً جذبات کے دباؤ سے یہ ہکلاہٹ بڑھ جاتی تھی مگر وہ اِس قدر منجھے ہوئے ہوا باز تھے کہ یہ معمولی سی معذوری اُن کی کارکردگی پر اثر انداز نہ ہو سکتی تھی پھر بھی فضائیہ کے اعلیٰ افسر اپنے چہیتے سکوڈرن لیڈر کو کسی خطرے میں ڈالنے پر تیار نہ تھے اور ان سے دوسری اہم مہمات میں کام لینا چاہتے تھے۔

سکوڈرن لیڈر منیر کے لئے یہ صورتِ حال نہایت پریشان کُن تھی۔ اُڑان ہی ان کی زندگی کا واحد مقصد تھا جس کے لئے انہوں نے فضائیہ کے دوسرے شعبوں میں ترقی کے تمام موقعوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ہر وقت اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے کہ کسی طرح فضا میں پہنچ کر دوسرے ہوا بازوں کی طرح بھارتی طیاروں کو تباہ کر سکیں۔

۱۰ ستمبر کو سکوڈرن لیڈر منیر الدین نے جو کہ سکوڈرن کے آپریشنز آفیسر بھی تھے اپنے ایک ہوا باز ساتھی فلائیٹ لیفٹیننٹ امتیاز احمد بھٹی کو اِس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ اس کے ساتھ نائب کی حیثیت

سے پرواز کریں گے۔ یہ وہی فلائیٹ لیفٹیننٹ امتیاز بھٹی تھے جنہوں نے سکوڈرن لیڈر رفیقی کی قیادت میں یکم ستمبر کو چھمب جوڑیاں پر دشمن کے دو ویمپائر طیارے مار گرائے تھے۔

"ب۔ب۔۔ بھٹی ..... اگر تم میرے۔س۔س.... ساتھ چلو تو شاید۔ و۔و۔و۔ ونگ اجازت دے دے۔ انہوں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ بھٹی کا دل پسیج گیا اور اس نے منیر جیسے ہوا باز کی درخواست کو ٹھکرانا مناسب نہ سمجھا۔

" اگر ایسی بات ہے تو میں تیار ہوں"۔ دراصل بھٹی اب تک بہت سی فضائی مہموں پر پرواز کر چکے تھے اور اُن کی موجودگی میں خطرہ کسی حد تک کم ہو جاتا تھا۔ ونگ کمانڈر نے اجازت دے دی۔

سکوڈرن لیڈر منیر نے مہمات پر جانے والے ہوا بازوں کی فہرست میں سب سے اُوپر اپنا اور فلائیٹ لیفٹیننٹ امتیاز بھٹی کا نام درج کر لیا تاکہ سب سے پہلے انہیں ہی دشمن سے نبرد آزما ہونے کا موقع مل سکے اور وہ بھی اپنی دیرینہ خواہش پوری کر سکیں۔ اس دن جلد ہی ان کی امید بر آئی۔ وہ اپنے اپنے طیاروں میں پرواز کا حکم ملنے کے منتظر تھے کہ قسمت نے پھر یاوری کی اور دونوں ہوا باز پرواز کا حکم ملتے ہی فضا میں بلند ہوتے چلے گئے۔

"ہیلو کنٹرول۔ لیڈر مزید ہدایات کا منتظر ہے"۔ سکوڈرن لیڈر منیر نے درخواست کی۔

"۱۲۰ درجے کے زاویے پر گھوم جاؤ اور بیس ہزار فٹ کی بلندی پر چلے جاؤ"۔ کنٹرول نے ہدایت کی۔

جب دونوں طیارے کھیم کرن کے اُوپر پہنچے تو انہیں پھر کنٹرول نے پکارا۔

"شمال سے جنوب کی طرف گشت کرتے رہو"۔

اس وقت دونوں طیارے دشمن کے علاقہ میں پرواز کر رہے تھے اور بھارتی فضائیہ کو کھلم کھلا دعوتِ جنگ دے رہے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منیر الدین کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کنٹرول کیا بات ہے۔ آج تمہاری سکرین میں کچھ خرابی تو نہیں"۔

"بھارتی فضائیہ کے طیارے ہی خراب معلوم ہوتے ہیں"۔ کنٹرول نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

"غضب ہے۔ آج یہ لوگ کہاں مَر گئے!"

سکوڈرن لیڈر منیر بھارتی طیارہ گرائے بغیر واپس جانے پر ہرگز تیار نہ تھے۔

"لیڈر ذرا صبر کرو۔ ابھی کوئی نہ کوئی شکار مل جائے گا"۔ بھٹی نے ریڈیو پر ہنستے ہوئے کہا۔

"مگر بھٹی ......م۔م۔م۔ مجھے تو سخت مایوسی ہو رہی ہے!" منیر پریشانی کے عالم میں بولا۔

دونوں ہوا باز اس علاقے پر چند منٹ اور پرواز کرتے رہے۔ اور سکوڈرن لیڈر منیر کو یقین ہو چلا تھا کہ اُسے خالی ہاتھ ہی لوٹنا پڑے گا۔ اتنے میں کنٹرول نے سکوڈرن لیڈر کو ریڈیو پر مطلع کیا۔

"دشمن کے دو طیارے ابھی ابھی بلند ہوئے

ہیں اور کھیم کرن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کی شناخت ممکن نہیں"۔

یہ اطلاع ملتے ہی منیر الدین بپھر گئے۔"کنٹرول اُن کی پوزیشن بتاؤ"۔

"۱۱۰ درجے کے زاویے پر گھوم کر سیدھے ہو جاؤ۔ دشمن کے طیارے اِس وقت گیارہ بجے کی پوزیشن میں اور پندرہ میل دُور ہوں گے"۔ کنٹرولر نے نہایت وثوق سے دشمن کی نشاندہی کر دی اور دونوں ہوا بازوں نے اپنے اپنے طیارے اُس سمت موڑ کر دشمن کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"دشمن کے طیارے نہایت تیز رفتار اور زیادہ بلندی پر ہیں"۔ کنٹرولر نے پکار کر کہا "اور اِس وقت تم پر نو بجے کی پوزیشن سے حملہ آور ہو رہے ہیں"۔

دونوں نے اپنے اپنے فاضل پٹرول کے ٹینک گرانے کی کوشش کی۔ سکوڈرن لیڈر کے دونوں ٹینک گر گئے مگر بھٹی کا ایک ٹینک طیارے کے پَروں میں اُلجھا رہا۔ اتنے میں ان دونوں نے بائیں جانب سے حملہ آور ہوتے ہوئے دونوں بھارتی نیٹ طیاروں کو دیکھ لیا۔"ب۔ب۔ بائیں طرف گھوم جاؤ"۔ لیڈر نے ریڈیو پر پکار کر کہا۔

پیشتر اس کے کہ وہ بائیں جانب مُڑ جائیں بھارتی طیاروں نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر بھٹی کا طیارہ محفوظ رہا۔ چونکہ اس کا ایک ٹینک ابھی طیارے سے ہی لٹک رہا تھا اِس لئے اسے دشمن کی جانب مُڑنے میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی اور اسی اثناء میں بھارتی ہوا باز گولیوں پر گولیاں برسائے جا رہے تھے۔ دوسرا ناٹ طیارہ دائیں طرف موڑ کاٹ کر بلند ہو چکا تھا تاکہ دوبارہ حملہ کر سکے۔ اس وقت سکوڈرن لیڈر منیر الدین نے اپنے طیارے کو حملہ آور بھارتی طیارے کے عقب میں ڈال دیا۔ اور چند سیکنڈ بعد اس کی مشین گنوں سے شعلے لپکے۔ بھارتی ناٹ ان شعلوں کی لپیٹ میں آ کر زمین کی طرف گرنے لگا اور دُور جا کر فضا میں ہی پھٹ گیا۔

فلائیٹ لیفٹیننٹ امتیاز احمد بھٹی نے ابھی اطمینان کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ اُسے دوسرا بھارتی طیارہ حملہ آور ہوتے ہوئے نظر آیا۔ ایک ساتھی کی تباہی دیکھ کر بھی حملہ کرنے کا حوصلہ رکھنے والا اُسے یقیناً جرأت مند ہوا باز معلوم ہوُا۔

"لیڈر، دائیں طرف موڑ کاٹ جاؤ دشمن کا طیارہ تمہارے عقب میں چھ بجے کی پوزیشن سے حملہ کر رہا ہے"۔ بھٹی نے لیڈر کو خبردار کیا۔ مگر سکوڈرن لیڈر منیر غالباً اپنی کامیابی پر خوشی منا رہے تھے کیونکہ انہوں نے ریڈیو بند کر رکھا تھا۔

فلائیٹ لیفٹیننٹ بھٹی بار بار اپنے قائد کو حملہ آور بھارتی طیارے کی موجودگی سے خبردار کرتا رہا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے عقب میں پہنچ کر اُسے تباہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

عین اُس وقت جبکہ بھارتی حملہ آور منیر کو اپنی مشین گنوں کی زَد میں لے رہا تھا منیر نے ریڈیو

کھول دیا اور بھٹی کی آواز سُنکر دائیں طرف موڑ کاٹ لیا اور حملہ آور کو عقب سے ہٹا دیا۔ اب بھٹی دشمن کو زد میں لے چکا تھا اور اُس نے ایک بوچھاڑ ماری۔ بھارتی طیارہ چھلنی ہو گیا اور ہوا باز نے بھاگ جانے میں ہی خیریت سمجھتے ہوئے طیارے کو سرپٹ دوڑایا۔ چونکہ نیٹ طیارے سیبر طیاروں سے زیادہ تیز رفتار ہیں اِس لئے دوسرا ہوا باز جان بچا کر نکل گیا۔

ہوائی اڈے پر اُترتے ہی سکوڈرن لیڈر منیر الدین نے فلائیٹ لیفٹیننٹ بھٹی کا شکریہ ادا کیا کیونکہ ان کی ایک دیرینہ خواہش کسی حد تک پوری ہو چکی تھی۔

امرتسر کا راڈر سٹیشن پاک بھارت سرحد کے قریب ہونے کی وجہ سے دشمن کو نہایت مؤثر کام دے رہا تھا اور اس سے سرزمینِ پاکستان سے اُڑنے والے ہر طیارے کی نقل و حرکت کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ اگرچہ بھارتی فضائیہ کے ہوا باز راڈر کنٹرولر کی ہدایات کو پوری طرح پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے لیکن یہ راڈر نہایت اہم تھا اور پاک فضائیہ کے لئے مستقل خطرہ ثابت ہو رہا تھا۔

۱۰ ستمبر کو اسے تباہ کرنے کے لئے ایک سکوڈرن بھیجا گیا جس میں بارہ سیبر طیارے اور دو سٹار فائٹر شامل تھے۔ اس راڈر سٹیشن کو شہری آبادی کے بیچوں بیچ اس خوبی سے چھپایا گیا تھا کہ اسے تباہ کرنے کے لئے شہری آبادی پر بمباری کرنا لازم نظر آتا تھا۔ پاک فضائیہ اس کے برعکس نہتے شہریوں پر کسی قسم کی زیادتی کرنے کو تیار نہ تھی لیکن اس راڈر کو تباہ کرنا بھی ضروری ہو چکا تھا۔ ادھر اس راڈر کی حفاظت کے لئے زبردست انتظامات کئے گئے تھے اور کئی طیارہ شکن توپیں اس کے اِردگرد نصب کی گئی تھیں تاکہ بوقتِ ضرورت حملہ آور کو سخت نقصان پہنچایا جا سکے۔

راڈر کی تباہی کے لئے منتخب شدہ ہوا باز نشانہ بازی میں کمال مہارت رکھتے تھے اسی لئے اس مشن پر اتنے طیارے بھیجے گئے تاکہ دشمن اگر اسکے بچاؤ کے لئے طیارے بھیجے تو کچھ ہوا باز اُن سے اُلجھ پڑیں اور باقی سٹیشن کی اچھی طرح سے خبر لیں۔ اِن سب کی حفاظت کے لئے دو سٹار فائٹر کافی بلندی پر اُڑ رہے تھے۔

نیچی پرواز کرتا ہوا یہ سکوڈرن امرتسر تک بخیر و عافیت پہنچ گیا اور پھر اُوپر اُٹھ کر یک دم حملہ آور ہوا۔ طیاروں کی گھن گرج نے آسمان سر پر اُٹھا رکھا تھا کہ زمین سے آگ برسنے لگی۔ ہزاروں گولے یکے بعد دیگرے آسمان میں آتشبازی کی طرح پھٹنے لگے مگر پاک فضائیہ کے ہوا بازوں نے راڈر کا سراغ لگا لیا اور فوراً چند راکٹ چھوڑے جو نشانے پر ٹھیک تو نہ بیٹھے مگر اِردگرد کی تنصیبات کو نقصان پہنچا گئے۔

اس کے ساتھ ہی بھارتی توپچیوں نے اندھا دُھند فائرنگ شروع کر دی اور راڈر سٹیشن کے گرد حفاظتی گولوں کا جال سا بُن دیا۔ اِس

قیامت خیز فائرنگ میں بھی چند ... ٹ اور چھوڑے گئے جنہوں نے راڈر کو بے کار کر دیا۔ حملہ آور طیاروں نے اس صورتِ حال میں واپسی کا قصد کیا کیونکہ اگر سیبر طیاروں میں رکھا ہوُا اسلحہ راڈر سٹیشن پر چھوڑ دیا جاتا تو اِرد گرد کی پوری آبادی صفحۂ ہستی سے مِٹ جاتی۔ بھارتی فضائیہ کے ہوابازوں کے برعکس پاک فضائیہ نے نہایت دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے گنجان آباد علاقے کو تباہ کرنے سے پرہیز کیا او... اڈر سٹیشن کو نقصان پہنچا کر واپس لوٹ آئے۔

یہ سٹیشن پورے چوبیس گھنٹے خاموش رہ کر پھر حرکت میں آگیا مگر پاکستانی ہوابازوں نے بھی اُسے تباہ کرنے کی ٹھان رکھی تھی کیونکہ پاکستانی فضائیہ کے نقطۂ نظر سے بھارت کی یہ "آنکھ" نہایت خطرناک کام کر رہی تھی۔ دوسری مہم گیارہ ستمبر کو بھیجی گئی جسکی قیادت لڑاکا بمبار ونگ کے آفیسر کمانڈنگ، ونگ کمانڈر انور شمیم خود کر رہے تھے۔

"آج ہمیں اس آنکھ کو ضرور پھوڑ کر ہی رہنا ہے۔" ونگ کمانڈر نے فیصلہ کُن انداز میں اپنے ماتحت افسروں کو مخاطب کیا۔

"اس راڈر کی وجہ سے پاک فضائیہ کو کافی دِقّت پیش آرہی ہے۔"

"جناب جب ہم واپس آئیں گے ت۔ ت۔ تو وہاں کچھ نہ ہوگا" سکوڈرن لیڈر منیر الدین نے نہایت اِعتماد سے کہا۔ وہ امرتسر پر پہلے حملے میں بھی شرکت کر چکے تھے۔

"دشمن طیارہ شکن توپوں سے آسمان سر پر اُٹھا لیتا ہے۔" فلائیٹ لیفٹیننٹ بھٹی نے اطلاعًا کہا۔

"کچھ بھی ہو ہم خالی ہاتھ واپس لوٹنا نہیں چاہتے۔" ونگ کمانڈر نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

"انشاء اللہ ہم خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹیں گے۔" بھٹی نے اپنے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ونگ کمانڈر کی تسلی کے لئے کہا۔

"سیسل"، ونگ کمانڈر شمیم نے چوتھے ساتھی کو مخاطب کیا۔

"جناب"

"میرے خیال میں اگر تم نیچی پرواز کرتے ہوئے بلندی پر ترچھے اُٹھو تو دشمن تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔ اتنی دیر میں ہم حملہ کر کے ہدف کو اُڑا دیں گے۔" ونگ کمانڈر کی اس تجویز پر سب نے یک زبان ہو کر لبیک کہا مگر بھٹی نے قدرے جسارت سے کام لے کر ایک اور تجویز پیش کی!

"جناب، اگر سیسل چودھری کی جگہ مجھے یہ فرض سونپ دیں تو بہتر ہوگا کیونکہ سیسل ابھی ہدف کے گرد و نواح سے پوری طرح واقف نہیں ہے اور اسے دشمن کی طیارہ شکن توپوں کا علم نہیں۔ لیکن مَیں آگ کے اس طوفان کو آسانی سے عبور کر جاؤں گا۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔ تم پہلے حملے میں دشمن

کی توپوں کی پوزیشن دیکھ چکے ہو۔" ونگ کمانڈر نے بھٹی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"بس تو پھر تم شمال سے اُوپر اُٹھ کر مشرق کی طرف نکل جاؤ اور ہم جنوب مغرب سے حملہ کر کے نشانہ لگائیں گے۔"

"بہتر جناب"، سب نے اِس تجویز پر عمل کرنا منظور کر لیا۔

"منیر! تم نمبر ۲ اور نائب لیڈر کی حیثیت سے جا رہے ہو ذرا احتیاط سے کام لینا۔" ونگ کمانڈر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"آپ مطمئن رہیں"، منیر اس وقت بے انتہا خوش تھے۔ اُڑتے رہنا ہی اُن کے نزدیک زندگی تھی اور اس وقت وہ دشمن پر ایک اور ضرب لگانے جا رہے تھے۔

ونگ کمانڈر محمد انور شمیم کی قیادت میں اُڑتا ہوا یہ لڑاکا بمبار سکوڈرن نہایت تیز رفتاری سے امرتسر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چاروں سیبر طیارے نہایت نیچی پرواز میں تھے۔ ہدف چونکہ سرحد کے بالکل قریب تھا اِس لئے ریڈیو رابطہ پوری طرح منقطع رکھا گیا تا کہ دشمن کو خبر نہ ہو سکے۔ بھارتی سرحد عبور کرتے ہی بھٹی ذرا فاصلہ دے کر آہستہ آہستہ اوپر اُٹھنے لگا اور باقی طیارے اُسی راستہ پر آگے بڑھتے گئے۔ امرتسر کے راڈر سٹیشن کا صحیح نشان دہی چاروں ہوا بازوں کے ذہن نشین کرائی جا چکی تھی اور وہ ٹھیک نشانے کے اُوپر پہنچ گئے۔

فلائیٹ لیفٹیننٹ امتیاز احمد بھٹی مجوزہ ترکیب استعمال کرتے ہوئے شمال کی جانب سے بلندی پر نمودار ہوئے اور مشرق کی جانب بڑھنے لگے تا کہ دشمن کو یہ معلوم ہو کہ وہ واپس لَوٹ کر حملہ کریں گے۔ بھٹی کے اُوپر اُٹھتے ہی بھارتی طیارہ شکن توپوں نے آگ اُگلنی شروع کر دی مگر بھٹی نہایت ہوشیاری سے بچتا ہوا نکل گیا۔ اس وقت جبکہ فلائیٹ لیفٹیننٹ بھٹی بلندی کی طرف اُٹھا سکوڈرن لیڈر منیر الدین نے حملے کے لئے غوطہ لگایا۔ ابھی تک دشمن کو ان کی آمد کی خبر نہ ہوئی تھی۔

منیر نے نشانہ لے کر راکٹ چھوڑے اور راڈر سٹیشن کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ابھی وہ غوطہ سے نکلے بھی نہ تھے کہ مخالف سمت سے طیارہ شکن توپوں نے یک دم کئی گولے پھینک دئے۔ گولوں کی ایک باڑھ سکوڈرن لیڈر منیر الدین احمد کے سیبر جیٹ طیارے کو پاس پاس کر گئی اور وہ شہید ہو گئے۔

منیر کا طیارہ تباہ ہوتے دیکھ کر ونگ کمانڈر انور شمیم غضبناک شیر کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوئے اس وقت وہ موت سے بے پرواہ اور اِردگرد پھٹنے والے گولوں سے بے نیاز صرف اِسی ہدف کو نظر میں رکھے ہوئے تھے جس کو تباہ کرتے ہوئے اُن کا نہایت عزیز دوست اور فضائیہ کا ہنس مکھ، شیر دل ہوا باز اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر گیا۔ وِنگ کمانڈر کے سیبر کے کُھلنے والے راکٹوں نے قیامت مچا دی اور امرتسر میں نصب کردہ بھارتی فضائیہ کی آنکھ جنگ

کے بقایا عرصہ کے لئے ناکارہ ہوگئی۔

سیسل اور بھٹی نے اپنے لیڈر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے راڈر سے ملحقہ تمام دوسری تنصیبات کو ملیامیٹ کر دیا اور بوجھل دل سے سکوڈرن لیڈر منیر الدین کے بغیر ہی اپنے ہوائی اڈہ پر واپس آگئے۔

وجیہہ، خوش شکل اور نہایت زندہ دِل سکوڈرن لیڈر خلیفہ منیر الدین پاک فضائیہ کا نہایت ہی چہیتا ہوا باز تھا۔ اس کا عزم و استقلال پاک فضائیہ میں ایک مثال بن چکا تھا۔ اپنی ہلکی سی لُکنت کے باوجود وہ ہوا بازی کے فنّی مدارج کو نہایت آسانی سے طے کرتا چلا گیا اور آخر ایک روز وطنِ پاک کی حفاظت کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے زندہ و پائندہ ہوگیا۔ اُس کی یاد کے تمام نقوش قوم کے سینے پر اَبد تک نمایاں رہیں گے اور مستقبل میں آنے والے محافظِ وطن اس کے لازوال کارناموں کی روشنی میں اپنی منازل تلاش کریں گے ؎

(پُرفشاں مجاہد، مطبوعہ فیروز سنز لاہور صفحہ ۱۱۵-۱۲۶)

چند ہی دن کی جُدائی ہے یہ مانا، لیکن
بدمزہ ہو گئے یہ دن بخدا تیرے بعد
یہ دُعا ہے کہ جُدا ہو کے بھی خدمت میں ہوں
زندگی میری رہے وقفِ دُعا تیرے بعد

(دُرِّ عدن)

یہ دُنیا ـــــــ!

(جنابِ خادم احمدی - کراچی)

جلووں سے حسیں ربّ کے گلزار یہ دُنیا ہے
اور اس کے سوا بالکل بیکار یہ دُنیا ہے

ہر ایک نظارے میں سَو مُعجزے پنہاں ہیں
اس مُعجزہ آرائی کا اِظہار یہ دُنیا ہے

ہر ذرّہ صَدا دیتا ہے یہ ہم کو ذرا سُن لو
اللہ کی قدرت کا اِقرار یہ دُنیا ہے

کِس کو یہ ملی طاقت دُنیا سے نکل بھاگے
ہر سمت سے اِنساں کیلئے دار یہ دُنیا ہے

ہو اس کی ثناء ہر سُو تھا مقصدِ پیدائش
تعریف میں اللہ کی سرشار یہ دُنیا ہے

تخلیقِ جہاں حیرت مربُوط نظام ایسا
اس عالی نظم کا اِک کردار یہ دُنیا ہے

تا حدِّ نظر بکھرے اجسام کے چہرے ہیں
اس صَانع کی صنعت کا شہکار یہ دُنیا ہے

بڑھانا قدم زاہد ہشیاری سے اس راہ میں
کانٹوں سے بھری راہیں منجدھار یہ دُنیا ہے

سب وعدے وفا ہوں گے اس یارِ حقیقی کے
مِٹ جائے گا شیطاں کا جو بازار یہ دُنیا ہے

آیاتِ مبیں اس کی دُنیا میں عیاں ہوں گی
تم صبر کرو، کب سے تیار یہ دُنیا ہے

چھٹ جائیں گے رحمت سے ظلمت کے سیاہ بادل
اِس دَورِ مظالم سے بیزار یہ دُنیا ہے

کچھ زورِ دعا یہ دے خادم کہ صداقت کے
اَب حق میں پلٹنے کو تیار یہ دُنیا ہے

شہرت طلبی کی خواہش

حضرت مفتی محمد صادق صاحب بیان فرماتے ہیں :-

" رومانیہ کی ملکہ میری سیر کے لئے امریکہ تشریف لے گئیں ۔ جس ہوٹل میں آپ نے امریکہ پہنچ کر قیام فرمایا اُس میں کھانے کا جو کمرہ تھا وہاں جس وقت ملکہ کھانا کھانے گئیں تو بڑے بڑے معزز اور امیر لوگوں نے جو اس ہوٹل میں بطور مسافر مقیم تھے مینجر ہوٹل سے اِس بات کی خواہش ظاہر کی کہ ہمیں ملکہ کے پاس والی کرسی پر بیٹھنے کا موقع دیا جائے تا کہ ہمیں یہ فخر ہو کہ ہم نے ملکۂ رومانیہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

مینجر ہوٹل بہت تجارتی دماغ کا انسان تھا اُسے اپنے فائدے کی فوراً ایک تدبیر سوجھی اور اُس نے تمام خواہشمند مسافروں سے کہا " مجھے اِس میں کوئی اعتراض نہیں لیکن ملکہ کے پاس بیٹھنے کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے آپ کو کچھ خرچ کرنا پڑے گا جو عزّت اور شہرت کے مقابلہ میں بہت ہی خفیف رقم ہو گی ۔ جس وقت اخباروں میں چھپے گا کہ فلاں صاحب نے ملکہ کے پاس بیٹھ کر کھانا کھایا تو کس قدر اُس خوش نصیب شخص کو اُس کی مسرت ہو گی ۔ اور جس وقت ملکہ اور اُس شخص کے فوٹو اکٹھے اخباروں میں شائع ہوں گے تو اُس شخص کی کِس قدر شہرت ہو گی ۔ پس جو شخص مجھے سب سے زیادہ رقم دے میں یہ اعزاز اس کے لئے مخصوص کروں گا۔

اِس پر نیلام شروع ہوا اور جس " خوش قسمت " انسان کو یہ اعزاز حاصل ہوا اُسے اس کی قیمت ایک ہزار ڈالر (قریباً ڈھائی ہزار روپیہ) ادا کرنی پڑی ۔

نمود و نمائش اور شہرت طلبی کی خواہش انسان کو بالکل مخبوط الحواس بنا دیا کرتی ہے ۔ افسوس "

(لطائفِ صادق صہ ۳۸)

اندازِ طلب

بادشاہ ابو العباس نے ابو دلامہ سے کہا کہ تیری جو بھی ضرورت ہے وہ مجھ سے مانگ ۔ ابو دلامہ نے جواب دیا کہ مجھے شکار کرنے کے لئے ایک کُتّا چاہیئے ۔ ابو العباس نے کہا کہ تجھے کُتّا مل جائے گا ۔ اس پر ابو دلامہ نے کہا کہ مجھے ایک سواری بھی عنایت فرمائیں جس پر سوار ہو کر شکار کیا کروں ۔ ابو العباس نے سواری بھی دے دی ۔ اس پر ابو دلامہ کہنے لگا

ایک غلام بھی دیا جائے جو سواری پر سوار ہو اور شکار کرے۔ ابوالعباس نے کہا کہ تجھے غلام بھی دیا جاتا ہے۔ پھر ابو دلامہ کہنے لگا کہ ایک لونڈی بھی عنایت فرمائیں جو کہ ہمارے لئے شکار سے کھانا تیار کرے اس پر اسے لونڈی بھی مل گئی۔ پھر کہنے لگا کہ یا امیر المؤمنین یہ سب تو میرے عیال بن گئے اب ان کے لئے ایک مکان بھی ضروری ہے۔ بادشاہ نے مکان بھی عطا کر دیا۔ اس پر ابو دلامہ نے ایک جاگیر کا بھی مطالبہ کیا تو ابوالعباس نے کہا کہ تجھے ۱۰۰ ایکڑ آباد اور ۱۰۰ ایکڑ ویران زمین دی جاتی ہے۔ ابو دلامہ کہنے لگا کہ ویران زمین سے کیا مطلب ہے۔ ابوالعباس نے جواب دیا کہ جہاں کوئی فصل نہ ہو۔ اس پر ابو دلامہ نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہے تو تب تو مَیں بنی اسد کے جنگلات میں سے ۱۵۰۰ (ڈیڑھ ہزار) ایکڑ زمین آپ کے نام لگا دیتا ہوں۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ تجھے ساری آباد زمین ہی دی جاتی ہے۔ (کتاب الحوائج)

واپسی

ایک آدمی ثمامہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کی خاطر مَیں تمہارے پاس آیا ہوں۔ ثمامہ کہنے لگا کہ میری بھی ایک ضرورت ہے جس کو مَیں تمہارے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس آدمی نے پوچھا کہ وہ ضرورت کیا ہے۔ ثمامہ نے جواب دیا کہ جب تک تم اسے پورا کرنے کی ضمانت نہیں دیتے مَیں اسے بیان نہیں کروں گا۔ اس پر وہ شخص بولا کہ مَیں ضمانت دیتا ہوں اس پر ثمامہ نے کہا کہ میری ضرورت یہ ہے کہ تم مجھ سے سوال نہ کرو۔ اس پر وہ شخص بولا کہ مَیں اپنی ضمانت واپس لیتا ہوں لیکن ثمامہ کہنے لگا کہ تم تو اس چیز کو جو تم نے مجھے دی واپس لیتے ہو لیکن جو مَیں نے تم سے لیا ہے وہ تمہیں واپس نہیں کرتا۔

(ایضاً)

بخشش یا نسخہ

ایک اعرابی عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری اُونٹنی کے پاؤں میں زخم ہو گیا ہے لہٰذا مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا ہوں کہ آپ مجھے اپنی طرف سے کوئی سواری عنایت فرماویں۔ ابنِ زبیرؓ اسے اُونٹنی کے زخم کا علاج بتانے لگے کہ وہاں گائے کی رنگی ہوئی جِلد کا ٹکڑا لگا دو اور کسی موٹے بال سے اسے سی دو۔ اس پر اعرابی بولا کہ مَیں آپ کے پاس کچھ طلب کرنے کیلئے آیا تھا نہ کہ نسخہ پوچھنے کے لئے۔ اسے کاش یہ اُونٹنی مجھے آپ تک نہ لاتی۔ ابنِ زبیرؓ نے فرمایا ہاں اسکے مالک کو بھی نہ لاتی۔

(ایضاً)

> اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ——— (الحدیث)

یادِ رفتگان

حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب

(مکرم اخوند فیاض احمد صاحب ۔ لاہور)

صد ہزاراں فرسخے تا کوئے یار
دشت پُرخار و بلائش صد ہزار
بنگر ایں شوخی ازاں شیخ عجم
ایں بیاباں کرد طے از یک قدم

سیّدنا حضرت مسیح موعود بانیٔ سلسلہ احمدیہ تذکرۃ الشہادتین میں دین کی خاطر قربان ہو جانے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

" ایسے لوگ اکسیرِ احمر کے حکم میں ہیں جو صدق دل سے ایمان اور حق کیلئے جان بھی فدا کرتے ہیں اور زن و فرزند کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے "

حضرت مولانا عبدالمالک خاں صاحب بھی ایسے ہی فدائیوں میں سے تھے جنھوں نے اپنی ساری زندگی دین کی خاطر وقف کئے رکھی اور اِسی راہ میں قربان ہو گئے۔

آپ ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ تحریر و تقریر میں زبردست ملکہ رکھتے تھے اور ایک عالم باعمل کی حیثیت سے جماعت میں پہچانے جاتے تھے۔ چہرے پر متانت اور وقار ہر دم عیاں ہوتا۔ آپ کی وفات پر

حضور نے آپ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا :۔

" مرحوم نہایت فدائی اور سلسلہ کے خادم تھے۔ آپ ہندوستان کے چوٹی کے معزّز خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے اللہ کی خاطر دُنیا کی عزّت کو ٹھکرا دیا۔ اور دین کی خدمت کی زندگی قبول کی۔ ان کے والد نے ان ساری دنیوی عزّتوں کو تج کر حضرت مسیح موعود کا دامن تھاما اور اللہ کی خاطر امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ چھوڑ کر غریبانہ زندگی اختیار کی۔ اس رنگ میں رنگین ہو کر مولانا عبدالمالک خان صاحب نے بھی اپنی زندگی دین کی خاطر وقف کی اور اِس وقف کے تقاضوں کو خوب نبھایا "

(الفضل ۵ ستمبر ۱۹۸۳ء)

حضرت مولانا کو پہلی بار میں نے بچپن میں دیکھا بعد میں آپ رشتہ میں میرے خالو بنے۔ خالو مرحوم کی طبیعت میں بہت بذلہ سنجی تھی۔ انہوں نے اپنی خاندانی

وجاہت اور خوش طبعی کو اصلاح و ارشاد اور تعلیم و تربیت کے فرائض کی ادائیگی میں خوب خوب استعمال فرمایا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں چند سال مجھے کراچی میں رہنے کا موقع ملا حضرت مولانا کراچی میں مربی جماعت تھے بحیثیت مربی وہ مرکز سلسلہ کے نمائندہ تھے مگر اُن کے ہر عمل اور حرکت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ امیر جماعت کی ہر معروف اور انتظامی معاملہ میں تا حدِ امکان اطاعت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ میرے نزدیک یہی اُن کے ایک نہایت کامیاب مربی ہونے کا راز تھا۔

اس زمانہ میں کراچی میں ہر اتوار کو صبح کے وقت "احمدیہ ہال" میں ایک علمی مجلس ہوتی (کیونکہ اُن دنوں اتوار چھٹی کا دن تھا) بالعموم حضرت مولانا کسی علمی موضوع پر خطاب فرماتے اور پھر اُس موضوع پر سوال وجواب کی مجلس قائم ہوتی۔ کبھی کسی اور دوست کو بھی خطاب کی دعوت دی جاتی۔ ایک مرتبہ مجھ عاجز و ناچیز کو ایک علمی موضوع پر تقریر کا موقع دیا گیا۔ حضرت مولانا صدارت فرما رہے تھے۔ میں نے اپنی علمی بے بضاعتی کے اقرار کے بعد جیسے بن پڑا تقریر کی۔ صدارتی تقریر میں اس عاجز کی حوصلہ افزائی کے لئے حضرت مولانا نے جو پہلا فقرہ ارشاد فرمایا وہ یہ تھا کہ "مقرر کی تقریر ایک عالمانہ تقریر تھی"۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مرتبہ قیامِ کراچی کے دوران ملیر میں حضور کی جائے قیام پر حضرت مولانا کے ساتھ میں اکیلا مصروفِ گفتگو تھا تھوڑی دیر پہلے حضور نور اللہ مرقدہٗ اُوپر کی منزل پر تشریف لے گئے تھے اور حضرت مولانا سیڑھیوں تک حضور نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رہے تھے۔ اس بارہ میں ایک جذباتی اور مستی کے رنگ میں حضرت مولانا نے مجھ عاجز کو بتایا کہ میں نے حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے علمِ قرآن عطا فرمائے۔

اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مولانا کی ساری زندگی امام جماعت کی اتباع، خدمتِ قرآن اور خدمتِ دین میں بسر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اہلیہ محترمہ اور ان کی اولاد و نسل کو اپنی خاص رحمت و برکت کا مورد بنائے (آمین) اور حضرت مولانا کے درجات کو بلند تر کرتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

ایک شاعرِ احمدیت نے حضرت مولانا عبد المالک خان صاحب کی وفات پر مخلصینِ جماعت کی دلی کیفیت کی کیا خوب عکاسی کی ہے ؎

تُو نے پکارا کس تیز رو کو
منزلِ جاناں! ہم بھی ہیں راہی

یہ دُعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو
میرا سر ہو اور تیرا پاک سنگِ آستاں
(درِّ عدن)

کمپیوٹر

جناب بشیر احمد بن مبارک ـــــ گلبرگ۔ کراچی

آج سے چند سال پیشتر کمپیوٹر کے نام تک کو کوئی نہ جانتا تھا۔ لیکن آج دُنیا کے بہت سے کام کمپیوٹر کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ کمپیوٹر کی صنعت نے گذشتہ چند سالوں میں نمایاں ترقی کی ہے، اور اِس میں نئی نئی اصلاحات جاری کی ہیں۔ جب ریڈیو اور ٹی وی وجود میں آئے تو اس وقت سے ہی اس سلسلے میں بھی کاوشیں شروع ہو گئی تھیں۔ شروع شروع میں ایسے آلات بنائے گئے جو خود بخود گنتی گننے کی اہلیت رکھتے تھے۔ جنہیں ELECTRONIC COUNTERS کہا جاتا تھا۔ ذخیرۂ معلومات کو محفوظ کرنے کے مختلف ذرائع پر بھی تجربات ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۰ء تک مختلف حسابی کام کرنے والے کمپیوٹر وجود میں آچکے تھے۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں ایک نیا کمپیوٹر آیا جس کا نام ELLIOTT 102 تھا۔ جو ایسے حسابی عمل ایک گھنٹہ میں انجام دیتا تھا جن کو عام طریقوں سے حل کرنے میں دو سے ڈھائی سال کا عرصہ لگ سکتا تھا اس وقت کے کمپیوٹر زیادہ تر THERMIONIC TUBES استعمال کرتے تھے۔ جو حُجم کے لحاظ سے بڑے تھے اور برقی قوّت بھی زیادہ استعمال کرتے تھے۔ ان کمپیوٹروں سے حرارت بھی خارج ہوتی تھی جس کی وجہ سے قوّت کا زیاں ہوتا تھا اور ان کو ٹھنڈا رکھنے کے انتظامات کرنے پڑتے تھے۔

سائنس دانوں کی کوششیں جاری رہیں حتّٰی کہ ایک نیا پُرزہ (COMPONENT) ٹرانزسٹر وجود میں آیا۔ اس نئی ایجاد کے ساتھ ہی کمپیوٹر کی صنعت میں انقلاب آگیا۔ اور یہ صنعت ترقی کرتی چلی گئی۔ ٹرانزسٹر کا حجم بہت چھوٹا تھا۔ اور اس میں برقی قوّت بھی بہت کم استعمال ہوتی تھی۔ اس لئے کمپیوٹر بہت چھوٹے اور کم لاگت میں تیار ہونے لگے۔ اَب یہ کوشش ہو رہی تھی کہ کمپیوٹر کی لاگت کم کی جائے اور اس کے افعال زیادہ سے زیادہ ہوں۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں ایک برطانوی کمپنی SINCLAIR نے ایک کمپیوٹر ZX80 بنایا جو کم قیمت تھا اور حجم میں بھی بہت چھوٹا تھا۔ اس کے بعد اسی کمپنی نے ZX81 نامی کمپیوٹر بنایا جس کے متعلق ہم بجا طور پر کم خرچ بالانشین کہہ سکتے ہیں۔ یہ کمپیوٹر بہت مشہور ہوا اور ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوا۔ آجکل مشہور کمپیوٹر بنانے والی کمپنیاں CASIO، SHARP، GENIE اور SORD ہیں۔

کمپیوٹر چاہے کیسا بھی ہو اس کے بنیادی طور پر چار حصّے ہوتے ہیں:۔

1- INPUT SECTION
2- MEMORY
3- MICROPROCESSOR

4 OUTPUT SECTION

(i) INPUT SECTION

یہ کمپیوٹر کا وہ حصّہ ہوتا ہے جو ہمارے اور کمپیوٹر کی اندرونی دُنیا کے درمیان رابطہ قائم کرتا ہے۔ کمپیوٹر کے تمام افعال ایک خاص زبان میں انجام پاتے ہیں جسے BINARY LANGUAGE کہا جاتا ہے۔ ایک عام آدمی بائنری زبان کو نہیں سمجھ سکتا۔ ہماری زبان چاہے انگریزی یا کوئی اور ہو سکتی ہے۔ اس کو کمپیوٹر نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن کمپیوٹر کا یہ حصّہ ہماری یہ مشکل حل کرتا ہے اور ہماری زبان کو بائنری زبان میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس طرح کمپیوٹر ہمارے دیئے گئے سوال کو سمجھ لیتا ہے اور اس پر عمل کر سکتا ہے۔ کمپیوٹر کو معلومات اور سوال دیئے جانے کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ جن میں سے تین مشہور طریقے یہ ہیں:

(i) BASIC (ii) COBOL

(iii) FORTRAN

BASIC کمپیوٹر کی بنیادی زبان ہے جب کہ COBOL کے ذریعے دفتری معلومات دی جاتی ہیں اور FORTRAN انجنیئرنگ کی مختلف اصطلاحات استعمال کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ جس وقت ہم کمپیوٹر کے KEY BOARD پر کوئی بٹن دباتے ہیں تو اصل میں اس وقت کمپیوٹر کا یہ حصّہ ہمارے دیئے گئے لفظ کو جو عام طور پر انگریزی میں ہوتا ہے بائنری میں بدل رہا ہوتا ہے۔ اس طرح کمپیوٹر کو ہماری دی گئی اطلاع پہنچ جاتی ہے۔

(ii) MEMORY (یادداشت)

یہ حصّہ کمپیوٹر کے اہم ترین حصّوں میں شمار ہوتا ہے۔ جس طرح ایک عام انسان اگر یادداشت سے محروم ہو تو وہ کسی طرح بھی نارمل نہیں سمجھا جاتا۔ اس طرح کوئی کمپیوٹر بھی یادداشت کے بغیر مکمّل نہیں ہوتا۔ کمپیوٹر کی یادداشت کی دو اقسام ہوتی ہیں۔

(i) STATIC MEMORY OR VOLATILE

(ii) NON VOLATILE

STATIC MEMORY وہ یادداشت ہوتی ہے جو معلومات کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے جب تک اس کو برقی قوّت مہیا رہے۔ اگر اس کی برقی قوّت منقطع کر دی جائے تو اس میں محفوظ ذخیرۂ معلومات بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس حصّے میں عام طور پر INPUT SECTION سے حاصل کردہ سوال یا معلومات محفوظ کی جاتی ہیں جن کی ضرورت وقتی ہوتی ہے

NON VOLATILE MEMORY یادداشت کی وہ قسم ہوتی ہے جس میں محفوظ معلومات برقی قوّت بند کر دینے پر بھی نہیں مٹتیں۔ اس حصّے میں وہ بنیادی معلومات محفوظ کی جاتی ہیں۔ جن کی وقتاً فوقتاً ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ اس قسم کی MEMORY میں PUNCH CARDS, MAGNETIC DRUM, MAGNETIC TAPE اور DISCS شامل ہیں۔

(iii) MICROPROCESSOR

یہ کمپیوٹر کا سب سے اہم حصّہ ہے جو حیثیت ہمارے جسم میں ذہن کی ہے وہ کمپیوٹر میں MICROPROCESSOR کی ہے۔ کسی سوال کو دی گئی معلومات کی روشنی میں حل کرنا

اور اس پر غور و فکر کرنا اس کا کام ہے۔ اگر کسی مسئلے کا صحیح حل موجود نہ ہو تو یہ اس کا ممکنہ حل نکال سکتا ہے۔ کمپیوٹر کے بقیہ تمام حصے MICROPROCESSOR کے زیرِ انتظام ہوتے ہیں۔ MEMORY میں موجود ذخیرۂ معلومات سے جو کہ لاکھوں الفاظ تک ہو سکتا ہے۔ مطلوبہ معلومات نکالنا بھی اس حصے کا کام ہے۔ یہ حصہ بڑے بڑے حسابی اعمال سیکنڈوں میں انجام دے سکتا ہے۔ اگر کسی سوال کے بارے میں مکمل معلومات نہ ہوں تو یہ کمپیوٹر چلانے والے کو اس کی نشاندہی کر دیتا ہے۔ کمپیوٹر کے مختلف حصوں میں معلومات کو RUN کرنا اور حاصل شدہ نتائج کو بروقت جانچنا بھی اس کے ذمے ہے۔

OUTPUT SECTION (IV)

جب کسی مسئلے کا حل MICROPROCESSOR نکال لیتا ہے تو وہ اس کو OUTPUT SECTION میں بھیج دیتا ہے۔ یہ حل شدہ نتائج BINARY زبان میں ہوتے ہیں۔ ہمیں ایک مرتبہ پھر ایک ایسے آلے کی ضرورت پڑتی ہے جو BINARY زبان کو ہماری عام زبان میں تبدیل کر سکے۔ یہ حصہ اس فرض کو انجام دیتا ہے۔ عام طور پر اس حصے میں VIDEO SCREEN ہوتی ہے جس پر نتائج یا معلومات دکھائی جا سکتی ہیں۔ اس حصہ سے (PRINTERS) پرنٹرز بھی منسلک ہوتے ہیں جو حل شدہ نتائج کو کاغذ پر چھاپ دیتے ہیں۔

ان حصوں کے علاوہ کمپیوٹر میں اور بھی حصے ہوتے ہیں جو ان ہی کے زیرِ انتظام ہوتے ہیں۔ ان حصوں میں سے چند یہ ہیں:

LOGIC GATES, COUNTERS, AIRTHAMATIC LOGIC UNIT وغیرہ وغیرہ۔

اب ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ کمپیوٹر بذاتِ خود کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ اس کو مطلوبہ معلومات اور احکامات نہ دیئے جاتے رہیں۔

تیرے بغیر

ہوتا نہیں ہے دل میں چراغاں تیرے بغیر
کتنا حسین شہر ہے ویراں تیرے بغیر

اب مسکراتی کلیوں کی خواہش نہیں رہی
ہر آرزو ہے دل میں گریزاں تیرے بغیر

اہلِ چمن کے مالک کلیاں اداس ہیں
ویراں پڑا ہے تیرا گلستاں تیرے بغیر

جانِ شہاب لوٹ آ دل کا قرار بن کے
ہے دل مرا اداس مری جاں تیرے بغیر

(جناب مظفر شہاب۔ ربوہ)

ڈیٹرائٹ کی سیر

جناب آفتاب احمد بسمل۔ کراچی
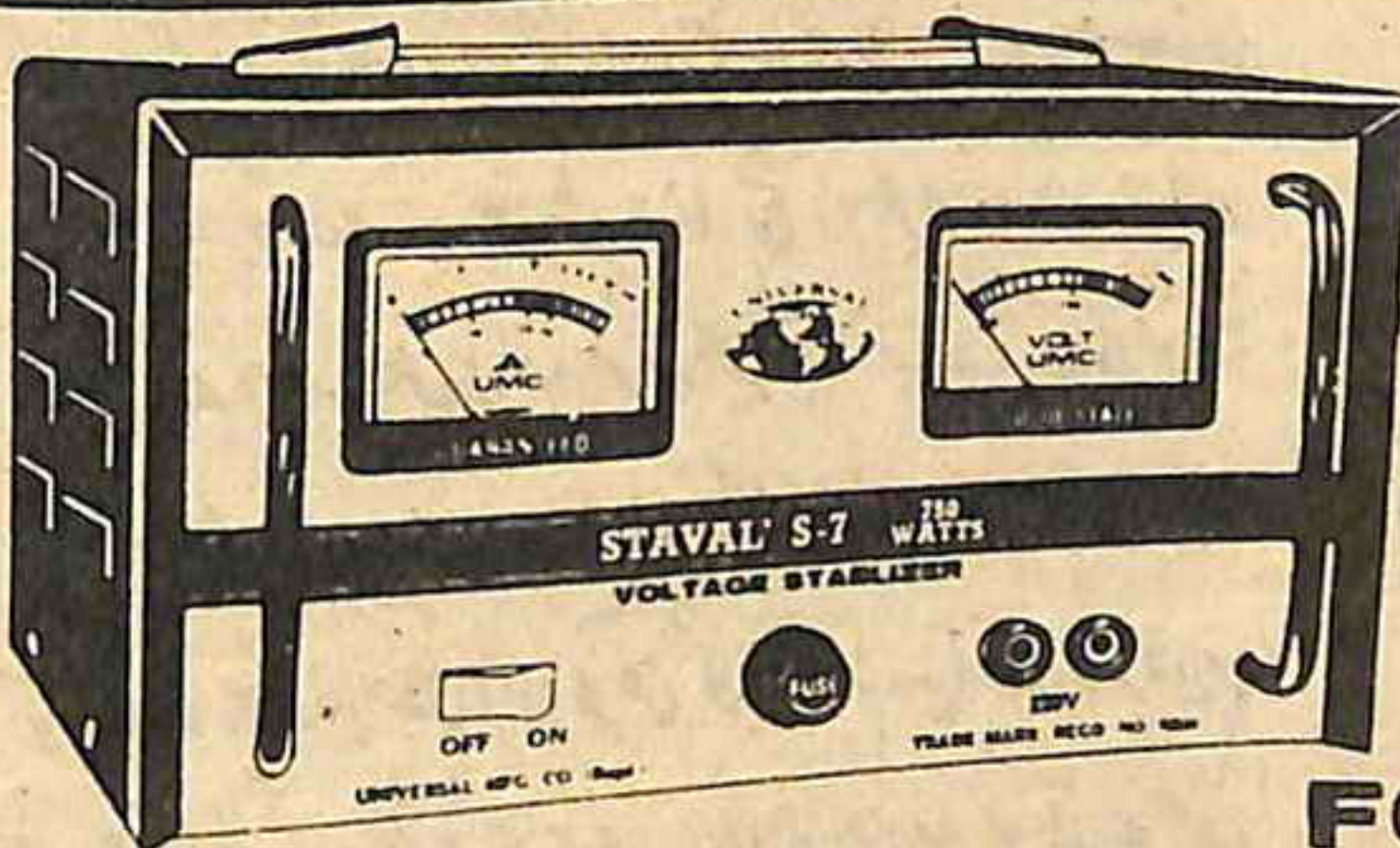
'خالد' کے قارئین اس سے پہلے نیویارک اور واشنگٹن کی سیر کر چکے ہیں آج کی صحبت میں ہم انہیں ڈیٹرائٹ کی سیر کراتے ہیں۔

ڈیٹرائٹ کا شمار امریکہ کے قدیم شہروں میں ہوتا ہے۔ ۱۷۰۱ء میں فرانسیسیوں نے اس جگہ ایک تجارتی چوکی قائم کی اور اس کا نام "فورٹ پی ڈو ڈیٹرائٹ" رکھا۔ اس کے تقریباً ۶۰ سال بعد انگریزوں نے سات سالہ جنگ کے دوران اس پر قبضہ کر لیا۔ امریکی انقلاب کے دوران شکست کھانے کے باوجود انگریزوں نے ڈیٹرائٹ پر قبضہ برقرار رکھا آخر ۱۷۹۶ء میں یہ شہر اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۱۸۱۲ء میں پھر انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن صرف ایک سال بعد امریکیوں نے دوبارہ اس پر تسلط جما لیا اور اس کے بعد ڈیٹرائٹ نے رفتہ رفتہ ترقی کرنی شروع کی۔

دریائے ڈیٹرائٹ کے کنارے واقع یہ شہر اپنی گوناگوں اور بوقلموں خصوصیات کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ نیویارک سے کوئی ۶۳۰ میل مغرب میں واقع ہے۔ بعض معاملات میں یہاں نیویارک سے بھی زیادہ مختلف النوع قومیتوں کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ موٹر سازی کی صنعت کا سب سے زیادہ نفوذ ہونے کی وجہ سے اسے امریکہ کی موٹر سازی کی صنعت کا دارالحکومت کہا جاتا ہے۔ یہ ملک کا پانچواں سب سے بڑا شہر ہے۔

ڈیٹرائٹ میں بے شمار قابلِ دید مقامات ہیں۔ زیادہ مشہور جگہوں میں ڈیٹرائٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹ، بچوں کا عجائب گھر، ہنری فورڈ میوزیم گرین فیلڈ ویلج، چڑیا گھر اور RENAISANSE سنٹر شامل ہیں۔ یہاں کی وین سٹیٹ یونیورسٹی بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی آف ڈیٹرائٹ اور یونیورسٹی آف مشی گن بھی خاصی بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔

دریائے ڈیٹرائٹ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے درمیان بین الاقوامی سرحد کا کام دیتا ہے۔ اِس دریا کے ایک کنارے پر ڈیٹرائٹ اور دوسرے کنارے کینیڈا کا خوبصورت گلاب کے پھولوں کا شہر ونڈسر واقع ہے یہاں دریا کے اُوپر ایک بہت عظیم الشان پُل ایمبیسڈر برج بنا ہے جس پر ۲۴ گھنٹے خوب ٹریفک رہتی ہے۔ اِس پُل کے عین وسط میں امریکہ اور کینیڈا کی سرحد کا نشان دونوں ملکوں کے جھنڈوں کی صورت میں لگا ہوًا ہے۔ دریا کے نیچے زمین دوز سرنگ بھی بنی ہوئی ہے اور یہ بھی دونوں ملکوں کے درمیان آمد و رفت کا ایک ذریعہ ہے۔ ڈیٹرائٹ کی جانب سے کاریں داخل ہوتی ہیں اور ونڈسر (کینیڈا) کے بارونق علاقے میں جا پہنچتی ہیں۔ دریا خاصا چوڑا ہے اور یہ سرنگ انجنیئرنگ کے کمال کا ایک اِنتہائی مُحیّر العقول شاہکار ہے۔

ڈیٹرائٹ میں امریکہ کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بہت بڑے بڑے شاپنگ پلازہ بنے ہوئے ہیں جن میں وسیع و عریض ڈیپارٹمنٹل سٹورز خریداروں سے ہر وقت پٹے رہتے ہیں۔ اِن میں سیکس ففتھ ایونیو (SAKS FIFTH AVE) سیئرز (SEARS) اور سمپسن (SIMPSON) خاص طور سے مشہور ہیں۔ بلند و بالا عمارتیں، شیشے کی دیواروں والے بڑے بڑے لفٹ۔ رواں سیڑھیاں (EXCALATOR) اور تا حدِّ نظر خوبصورت اور دیدہ زیب سامان۔ ہر چیز سلیقے سے سجی خریداروں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہے۔ اِس قسم کے ایک شاپنگ پلازہ کے قریب حیات رِجنسی ہوٹل ہے۔ اِس ہوٹل کی فلک بوس عمارت اور شاپنگ پلازہ کے درمیان بجلی سے چلنے والا ایک معلّق لفٹ یا موٹر کار ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ ہوٹل میں مقیم سیاحوں کو سڑک کے راستے لمبا چکر لگا کر شاپنگ پلازہ جانے کی بجائے چند سیکنڈ میں وہاں پہنچایا جا سکتا ہے۔ ہم نے بھی اِس موٹر کار کی سَیر کی۔ شاپنگ پلازہ کے شیشے کی دیواروں والے لِفٹ سے ہم دوسری منزل پر پہنچے اور وہاں سے اُس معلّق کار میں بیٹھ کر ہوٹل کی لابی میں پہنچ گئے۔ یہ ہوٹل بھی اِتنا بڑا اور عظیم الشان ہے کہ بیان سے باہر۔ اس میں بھی بہت بڑے بڑے شیشے کی دیواروں والے لِفٹ اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر جاتے ہوئے اِنتہائی دلکش لگتے ہیں خصوصاً رات کے وقت پورا ہوٹل اور یہ لِفٹ بقعۂ نور بنے ہوتے ہیں۔

ڈیٹرائٹ کا چڑیا گھر بھی بہت بڑا اور وسیع و عریض رقبے میں پھیلا ہوًا ہے۔ چڑیا گھر شہر سے باہر مرکزی علاقے سے کوئی ۲۵ میل دُور واقع ہے یہاں داخلے کا ٹکٹ بڑوں کے لئے تین ڈالر اور بچّوں کے لئے ایک ڈالر ہے۔ ساٹھ سال سے زائد عمر کے لوگوں کو مُفت داخلہ مل جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ "بزرگ شہری" سمجھے جاتے ہیں۔ بہر حال ہم نے سب سے پہلے یہاں پینگوِن دیکھے جو قطب جنوبی کے علاقے کا خاص پرندہ

ہے اس کے لئے چڑیا گھر والوں نے قدرتی ماحول پیدا کر رکھا ہے اور انہیں خوب ٹھنڈی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ پھر ہم نے سانپوں اور دوسرے حشرات الارض کا علاقہ دیکھا جہاں سینکڑوں قسم کے سانپ، اژدہا، بچھو، گرگٹ، مگرمچھ جمع تھے۔ اس کے بعد مختلف جانوروں شیر، چیتا، ریچھ، ہرن، بندر، ہاتھی، زیبرا، زرافہ وغیرہ کے درشن کئے۔ یہاں دو کوہان والے اونٹ، مڈغاسکر کا بلی نما بندر لیمور، لاما، برفانی ریچھ نئی چیزیں تھیں جو ہم نے پہلی بار دیکھیں۔ جانوروں کو قدرتی ماحول میں رکھا ہوا تھا ہمارے ہاں کی طرح بند پنجرے نہیں تھے۔ چڑیا گھر اتنے وسیع رقبے میں ہے کہ اسے دیکھنے کے لئے کئی گھنٹے درکار ہیں اور پھر لطف یہ کہ ہزاروں لوگوں کے ہجوم کے باوجود گندگی وغیرہ کہیں نظر نہیں آتی ہر شخص صفائی کا خود خیال رکھتا ہے۔

ڈیٹرائٹ کا سب سے مشہور قابلِ دید مقام ہنری فورڈ میوزیم ہے۔ یہ بہت بڑا میوزیم ہے اور اس کے قریب ہی "گرین فیلڈ ولیج" تعمیر کیا گیا ہے جہاں امریکہ کی گذشتہ دو سو سال کی زرعی اور صنعتی ترقی دکھائی گئی ہے۔ یہ دونوں اتنے بڑے ہیں کہ ایک دن میں صرف ایک ہی دیکھا جا سکتا ہے اور وہ بھی سرسری طور پر۔ ہم نے میوزیم دیکھنے کو ترجیح دی۔ یہ میوزیم ایڈیسن انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ انتظام ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک چبوترے پر مشہور موجد ایڈیسن کے سیمنٹ پر کئے ہوئے دستخط جو اس نے اس میوزیم کے سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب کے موقع پر کئے تھے۔ علاوہ ازیں اس کے جوتوں کے نشان محفوظ کئے گئے ہیں۔ یہ عظیم الشان میوزیم امریکہ کی ٹرانسپورٹ کی ترقی کی تاریخ وار داستان پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک طرف آج سے سو سال پہلے کی طرح کی دکانیں بنی ہیں۔ ان میں حجام کی دکان، لوہار کی دکان، گڑیا بیچنے والوں، گھڑی ساز، کپڑے اور ہیٹ بنانے والوں اور کیمسٹ وغیرہ کی دکانیں اُسی قدیم حالت اور سامان کے ساتھ محفوظ رکھی گئی ہیں اس کے سامنے بڑے ہال میں ایک طرف قدیم گھوڑا گاڑیاں رکھی ہیں اُن میں گھوڑے بھی جُتے ہیں جو ہیں تو گھوڑوں کے مجسمے لیکن بالکل اصلی نظر آتے ہیں۔ بہت بڑا اسٹیم انجن، کوئلے کا انجن اور قدیم تاریخی ریل کے ڈبے کھڑے ہیں جن میں سے ایک میں ایڈیسن نے اپنی تجربہ گاہ قائم کر رکھی تھی۔ پھر وہ تاریخی موٹر کاریں رکھی ہیں جن میں مختلف ملکوں کے بادشاہ اور وزرائے اعظم اور امریکی صدر سفر کر چکے ہیں۔ یہاں وہ کار بھی ہے جس میں برطانیہ کے شاہ جارج ششم اور ملکہ ایلزبتھ اپنے امریکہ کے دوروں میں بیٹھے تھے وہ کار بھی ہے جس میں امریکہ کے صدر کینیڈی کو گولی ماری گئی تھی اس کار کے سامنے ہم نے بھی تصویر اُتروائی۔ اسی طرح صدر ٹرومین، روزویلٹ اور آئزن ہاور کے زیرِ استعمال رہنے والی کاریں رکھی ہیں۔ پھر اس سے آگے "کاروں کا ارتقاء" (EVOLUTION OF CARS) کے عنوان سے کاروں کی نمائش لگی ہے جہاں ۱۸۹۳ء میں بننے والی

سب سے پہلی کار سے لے کر ۱۹۶۵ء تک کی کاریں رکھی ہیں عجیب و غریب شکلوں اور نمونوں کی کاریں، سب انتہائی پُرانی لیکن ہر چیز اتنی صاف شفاف کہ بیان سے باہر ہے۔ اسی طرح قدیم لیمپ، بائیسکل کی تاریخ۔ دُنیا کی سب سے پہلی بائیسکل۔ دُنیا کی سب سے پہلی کار جو جرمنی میں بنی۔ موٹر سائیکل۔ ریسنگ کاروں کے قدیم نوادر۔ قدیم ترین اور بالکل ابتدائی ہوائی جہاز بھی رکھے ہیں ان میں رائٹ برادران کا ہوائی جہاز بھی شامل ہے۔ اس شعبے سے فارغ ہوئے تو ہم نے ACTIVITIES سنٹر دیکھا جہاں بچوں اور بڑوں کی دلچسپی کے لئے سائنسی ایجادات رکھی تھیں اور یہ بتایا جارہا تھا کہ یہ مشینیں کس طرح کام کرتی ہیں۔ سلائی کی مشین کا سب سے پہلا نمونہ، چھپائی کی دستی مشین، سٹیم انجن کے ماڈل وہاں موجود تھے۔ پھر CHANGING کے شعبے میں امریکہ کی اہم ایجادات کی تاریخ بتائی گئی تھی جن سے امریکہ کی تقدیر بدلی۔ اس شعبے میں صدر ابراہام لنکن کی وہ تاریخی کرسی بھی رکھی تھی جس پر وہ اپنے قتل والی رات بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شال بھی تھی جو اُس نے اوڑھ رکھی تھی۔ یہاں بھی ہم نے تصویریں اُتاریں۔ ایک شعبے میں امریکی گھروں میں استعمال ہونے والے فرنیچر، کچن کے سامان اور عام ضرورت کی چیزوں کی نمائش کی گئی تھی جو پچھلے سو سال کے دوران یا اس سے پہلے استعمال ہوتی تھیں۔ پھر ایک شعبے میں زرعی آلات اور مشینیں رکھی تھیں۔ بہت بڑی بڑی مشینیں نصب تھیں جو آج سے ۵۰ سے ۱۰۰ سال پہلے تک استعمال ہوتی رہی تھیں۔

اُوپر کی منزل پر ہنری فورڈ کے ذاتی استعمال کی چیزیں کپڑے، جوتے اور ڈائننگ ٹیبل وغیرہ رکھے تھے۔ ہنری فورڈ کے نام مختلف لوگوں کے خطوط اور مشہور لوگوں کے ساتھ فورڈ کی تصویریں تھیں۔ ایک سینٹ کی مالیت کا ایک چیک بھی رکھا تھا جس پر ہنری فورڈ کے دستخط تھے جو اُس نے اپنی دکان کا پہلا بورڈ بنانے والے کو دیا تھا۔ ہنری فورڈ ۱۹۴۷ء میں ۸۸ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ یہاں ایک چھوٹا سا چرخا بھی رکھا ہے جو گاندھی کے استعمال میں رہا تھا اور اس نے ہنری فورڈ کو تحفے میں دیا تھا۔

میوزیم کی تفصیلات تو ابھی بہت ہیں لیکن فی الحال اس ذکر کو ختم کرتے ہیں۔ بہرحال ہنری فورڈ میوزیم دیکھنے کی چیز ہے۔ ہم اس کے بعد ہنری فورڈ لائبریری بھی گئے جو اپنی قسم کی ایک منفرد لائبریری ہونے کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتی ہے۔

ڈیٹرائٹ کی ایک اور اہم جگہ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اب ڈیٹرائٹ کی جس سے شناخت ہوتی ہے وہ RENAISANSE سنٹر کی عمارت ہے۔ ۷۳ منزلہ یہ عمارت دریائے ڈیٹرائٹ کے کنارے تعمیر کی گئی ہے۔ اس میں دُنیا کا سب سے بڑا ہوٹل WESTIN واقع ہے۔ عمارت تین گول بیضوی عمودی عمارتوں پر مشتمل ہے۔ اندر بے شمار دکانیں،

بنک، آفس اور دیگر تجارتی فرموں کے دفاتر ہیں ہم رواں سیڑھیوں کے ذریعے مختلف منزلوں پر گھومے پھرے۔ پھر عمارت کی چوٹی پر جانے کے لئے لفٹ میں سوار ہوئے۔ لفٹ اِتنی تیزی کے ساتھ اُٹھا کہ کانوں میں سنسناہٹ شروع ہو گئی اُوپر پہنچے تو دریا کے اُس پار ونڈسر (کینیڈا) کا شہر پھیلا ہوا دکھائی دیا۔ شیشے کی دیواروں والے لفٹ میں تین طرف کے نظارے دیکھے جا سکتے تھے۔ چوٹی پر پہنچے تو ایک طرف ونڈسر اور دائیں بائیں ڈیٹرائٹ پھیلا ہوا نظر آیا۔ اُس وقت شام ہو چکی تھی اور تا حدِ نظر روشنیوں کا سیلاب نظر آرہا تھا پھر ہم ایک گول کمرے میں گئے جو چھت پر تھا اور بہت آہستگی سے گھوم رہا تھا یہاں ریسٹوران میں بیٹھ کر فروٹ جوس کا آرڈر دیا اور سامنے کے خوبصورت نظارے میں کھو گئے۔ ہم گویا دُنیا کی یا یوں سمجھ لیجئے ڈیٹرائٹ کی چھت پر بیٹھے تھے اور ہمارے نیچے اور چاروں طرف روشنیوں کا دریا رواں تھا سڑکوں پر لگی ہوئی روشنیاں یوں لگتی تھیں گویا کسی نے روشنی کی دوہری لکیر کھینچ دی ہو۔ رنگا رنگ روشنیاں نیچے دریائے ڈیٹرائٹ میں چلتے ہوئے جہاز سڑکوں پر دوڑتی ہوئی کاریں، رات کا سماں پس یہ سب کچھ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس کا پورا نقشہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے کوئی ایک گھنٹہ ہم وہاں بیٹھے۔ ایک چکر پورا ہوا تو وہاں سے اُٹھے ایک منزل سیڑھیوں سے نیچے اُترے اور پھر لفٹ کے ذریعے نچلی منزل پر پہنچ گئے۔ عمارت اِتنی بڑی اور عظیم ہے کہ اطراف کا احساس مٹ جاتا ہے اِسی لئے جب باہر نکلنے لگے تو پتہ چلا کہ جدھر گاڑی پارک کی تھی ہم اُس کے اُلٹی طرف باہر آگئے ہیں۔

ڈیٹرائٹ کی ایک اور خصوصی چیز "فریڈم فیسٹول" یعنی جشنِ آزادی ہوتا ہے جو دریائے ڈیٹرائٹ کے دونوں طرف منایا جاتا ہے۔ امریکہ اور کینیڈا کے باہمی تعلقات بالعموم اور ڈیٹرائٹ اور ونڈسر کے بالخصوص بہت ہی دوستانہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جشنِ آزادی دونوں شہر مل کر مناتے ہیں دونوں کے میئر مل کر تقریبات کا افتتاح کرتے ہیں۔ پچھلے سال جب ہم وہاں تھے تو اِس جشن کی سلور جوبلی منائی گئی۔ یہ جشن جون کے آخر اور جولائی کے ابتدائی دنوں میں منایا جاتا ہے اور ۴ جولائی کو اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یکم جولائی کو کینیڈا کا یومِ آزادی اور ۴ جولائی کو امریکہ کا یومِ آزادی ہوتا ہے۔ اِس جشن کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے لگوں تو مضمون مزید طویل ہو جائے گا اِس لئے اِس داستان کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

فضلِ خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گذرے
(درِّ عدن)

.........و من ترکی نمی دانم

مکرم عبدالمالک صاحب نمائندہ خالد و تشحیذ لاہور

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جہاں دوسری بے شمار نعمتوں سے نوازا وہاں زبان جیسی عظیم الشان نعمت بھی عطا فرمائی تاکہ اس زبان کے ذریعہ وہ باہم گفتگو کر سکے۔

کہا جاتا ہے کہ ساری دُنیا میں تین ہزار سے زائد زبانیں ہیں مگر ان میں سے صرف بیس تیس زبانیں ہی زیادہ معروف ہیں اور ان تمام زبانوں کی ماں عربی زبان ہے جس کو امّ الالسنہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ زبان ہے جس میں ہدایت ابدی یعنی قرآن پاک نازل ہُوا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی جو اہلِ جنّت کی زبان ہے۔

دُنیا کے جس علاقہ میں بھی آپ جائیں گے۔ وہاں ایک نئی بولی آپ کی منتظر ہوگی۔ اور "اپنے" نہ جاننے والوں کا منہ چڑا رہی ہوگی۔

اگر انسان کو کسی مُلک میں جانا پڑے اور وہاں کی زبان اُسے نہ آتی ہو تو جو ہزیمت اور پریشانی اُسے وہاں اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ انسان باوجود زبان رکھنے کے بے زبان اور "گونگا" ہو جاتا ہے۔

کسی ملک کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے جو لطائف پیش آتے ہیں یا جو شرمندگی اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کا اندازہ معزز قارئین درج ذیل دو واقعات سے کر سکتے ہیں:۔

(۱)

سنہ ۱۹۷۸ء کی بات ہے خاکسار کو انگلستان جانے کا موقع ملا۔ جہاں اپنے ہمراہ میں اپنے ایک بزرگ کے لئے مربّہ ہڑ ہڑ لے گیا یہ انہوں نے بطور دوا استعمال کرنا تھا۔ جب خاکسار لندن کے ہوائی اڈا پر پہنچا اور امیگریشن سے فارغ ہو کر کسٹم والوں کے پاس گیا۔ انہوں نے جب ہڑ ہڑ کا مربّہ دیکھا تو بوتل کو ہلایا اور مجھ سے پوچھا۔

"WHAT IS THIS ?"

مجھے انگریزی تو آتی نہیں تھی۔ چنانچہ میں خاموش رہا پھر اس نے تھوڑی دیر کے بعد یہی سوال دوبارہ کیا۔ خاکسار پھر خاموش رہا۔ آخر جب اُس نے تیسری بار پوچھا تو مَیں نے یہ سوچ کر کہ کہیں اور کوئی مصیبت ہی نہ کھڑی ہو جائے۔ یہ عرض کیا کہ

THIS IS APPLE JAM

یعنی یہ سیب کا مربّہ ہے۔ جس پر اُس نے کہا۔

O VERY FINE GO,

یعنی اچھا بہت عمدہ ہے آپ جائیں۔ جس پر میں کھڑا اس کا مُنہ ہی تکتا رہ گیا۔

طُور ہے آج بے قرار بہت

سینۂ و دل ہوئے فگار بہت
سہہ چکا ہوں فراقِ یار بہت

یہ کرشمہ نہ ہو محبّت کا؟
دل میں چبھتا ہے ایک خار بہت

تُو نہاں در نہاں تھا دل میں مرے
کیوں ہُوا در بدر میں خوار بہت

تُو رگِ جاں سے بھی قریب سہی
پھر بھی رہتا ہے انتظار بہت

ڈال عصیاں پہ چادرِ رحمت
ہے قبا اپنی تار تار بہت

کون کہتا ہے تُو ہے ہرجائی
تجھ کو پایا وفا شعار بہت

اَب تو کہہ دے زباں سے لَاتَحْزَن
کہہ چکا ہوں میں حالِ زار بہت

طالبِ دید ہے دلِ حافظ
طُور ہے آج بے قرار بہت

(جناب حافظ فضل الرحمٰن بشیر ربوہ)

(۲)

دورانِ سفر ایک اور واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ ہم SAS کی پرواز پر سفر کر رہے تھے۔ جب کراچی سے جہاز روانہ ہُوا تو ہوائی جہاز کا عملہ خدمت کرنے لگ گیا۔ پہلے انہوں نے ٹافیاں اور سونف وغیرہ دی۔ پھر ناشتہ دیا۔ اس کے بعد ائیر ہوسٹس بار بار آکر پوچھتی کہ

YOU WANT COFFEE?
YOU WANT TEA?

خاکسار نے اُس سے کہا

DO YOU KNOW THE MEANING OF COFFEE?

جس پر وہ حیران سی ہو کر چُپ ہو گئی کہ شائد میں نے کوئی غلطی کی ہے لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ ہمارے ملک کی اردو زبان میں لفظ "کافی" کا مطلب "ENOUGH" ہوتا ہے تو وہ بڑی محظوظ ہوئی۔ اور اس وجہ سے سارے سفر میں اس نے خصوصی طور پر ہمارا بڑا خیال رکھا اور خوب مہمان نوازی کی۔ جب ہم کوپن ہیگن اُترنے لگے تو دروازے میں کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

NOW IN YOUR LANGUAGE
COFFEE (ENOUGH)

یعنی یہ رہا تمہاری زبان والا "کافی"

ضروری اعلان ادارہ اپنے قلمی معاونین سے التماس کرتا ہے کہ مضامین صاف، خوشخط، کاغذ کے ایک طرف اور حاشیہ چھوڑ کر لکھا کریں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(عبدالناصر منصور۔ جامعہ احمدیہ ربوہ)

کائنات کب وجود میں آئی؟

یہ تمام سلسلہ سورج، چاند، ستارے، زمین وغیرہ کب معرضِ وجود میں آیا؟ علمِ طبقات الارض کے مطابق ہماری زمین کی عمر تقریباً ....۳ برس ہے۔ سورج اور ستاروں کے متعلق کوئی اتفاق نہیں۔ وہ اور زیادہ قدیم ہوں گے۔

مسٹر ایڈنگٹن کے نظریے کے مطابق یہ کائنات تقریباً ....۹ برس قبل از مسیح شروع ہوئی تھی۔

دوربین نے انسان کی نظر کو بہت کچھ وسعت دی ہے۔ کہکشاں کو تقریباً ....۳ ستاروں کا مجموعہ کہا جاتا ہے۔ سورج ان ستاروں میں سے ایک ستارہ ہے۔ یہ سارا نظام اس کہکشاں کی کشش ثقل کے مرکز کے گرد گردش کر رہا ہے۔ کہکشاں کے پرے اسی طرح ستاروں کے اور نظام ہیں جو کہ قریباً قریباً اسی کہکشاں کے برابر ہیں۔ جہانتک دوربین کام کرتی ہے وہ باقاعدہ فاصلوں پر تمام فضا میں بکھرے ہوئے ہیں۔

ستارے کس طرح بنے؟

ایک نظریہ یہ ہے کہ ستارے فضا میں بکھرے ہوئے ایٹموں کے بادلوں سے بنے ہیں جب کافی تعداد میں ایٹم اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان کی کشش ثقل قریب در قریب آجاتی ہے حتیٰ کہ وہ ایک گیند کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جوں جوں باہمی کھچاؤ بڑھتا جاتا ہے وہ اتنے ہی سخت ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ بالآخر ایٹمی چین ری ایکشن کے باعث مزید حرارت سے وہ سورج کی طرح دہکنے لگ جاتے ہیں۔ غالباً اس سلسلہ کی ایک انتہا بھی ہے۔ آخری صورت میں زبردست دھماکے سے پھٹ جاتے ہیں اور پھر ایٹمی شکل میں بادلوں کی صورت میں منتشر ہو جاتے ہیں۔

فضا کیا ہے؟

فضا زمین کے ارد گرد گیسوں کا مرکب

ہے۔ یہ آکسیجن، نائیٹروجن، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگر گیسوں کی بنی ہوئی ہے۔ سائنس دانوں نے فضا کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا طبق تقریباً ۱۰ میل کی بلندی تک ہے۔ اس حصہ میں زمین کے اردگرد کی تمام ہوا کا $\frac{9}{10}$ حصہ ہے۔ اسی طبق میں ہمارے موسم اور بادل بنتے ہیں۔

دوسرا طبق ۱۰ میل سے آگے پچاس میل تک ہے۔ اس میں ہوا بہت کم ہوتی ہے اور وہاں برائے نام آکسیجن ہونے کی وجہ سے سانس لینا بہت دشوار ہے۔

تیسرا طبق چھ سو میل کی بلندی تک ہے۔ یہاں ہوا بہت ہی کم ہے۔ فالتو آکسیجن کے بغیر سانس لینا ناممکن ہے۔ یہ فضا سورج کی چمک میں بھی سیاہ نظر آتی ہے۔

چوتھا طبق چھ سو میل سے آگے ہے۔ اس میں نہ کوئی گیس اور نہ ہی ہوا ہوتی ہے۔ بہت ہی تاریک حصہ ہے۔ یہ طبق چاند، سورج اور دور دراز ستاروں تک پھیلا ہے۔

زمین کس طرح بنی؟

ہماری زمین ایک سیارہ ہے۔ اس بات پر عام اتفاق ہے کہ یہ سیارے ایک نامعلوم ستارے کی کشش ثقل کی وجہ سے سورج میں سے نکلے ہوئے سیال کی گیسی شکل کے مواد سے بنے تھے۔ وہ نامعلوم ستارہ سورج کے بہت قریب پہنچا۔ اس نے چلتے چلتے اپنی کشش کے ذریعے سورج میں گیسی شکل کے بادل اپنی طرف کھینچے۔ علم طبقات الارض کے مطابق یہ حادثہ غالباً تین ارب (۳,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰) برس ہوئے واقع ہؤا۔ اس گیسی مواد نے اپنے منبع یعنی سورج کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ گیس ٹھنڈی ہو کر ٹھوس شکل اختیار کرتی چلی گئی جس سے بڑے بڑے تودے بن گئے جو سیارے کہلاتے ہیں۔

ہماری زمین کا گیسی مواد قدرے ٹھنڈا ہو کر ایک بہنے والی پگھلی ہوئی چیز کی شکل اختیار کر گیا چونکہ زمین کا مواد سورج سے کہیں کم تھا اس لئے ہماری زمین کے گیسی مادے کا پگھلی ہوئی شکل اختیار کرنا آسان ہو گیا۔ اگلا مرحلہ پگھلے ہوئے مادے کا ٹھوس شکل اختیار کرنا تھا۔ مزید ٹھنڈک، پچک، دباؤ سے ٹوٹ پھوٹ اور کھینچا تانی جاری رہی۔ آخرکار زمین کی سطح بے ترتیب وادیوں اور پہاڑوں کی شکل اختیار کر گئی۔ اس قدرتی عمل میں ہزارہا سال صرف ہوئے۔

چاند کیا ہے؟

چاند ایک سیارہ ہے جو زمین کے گرد گھومتا ہے۔ فضا میں یہ زمین کا نزدیک ترین ہمسایہ ہے۔ یہ زمین سے قریباً ۲,۳۸,۸۴۰ میل دور ہے۔ اس کا قطر قریباً ۲۱۶۳ میل ہے۔ زمین کے گرد ۲۷ دن سات گھنٹے اور ۴۳ منٹ میں چکر لگاتا ہے لیکن چونکہ چاند نے زمین کے ساتھ ساتھ سورج کا بھی چکر لگاتا ہے اس لئے قمری مہینہ ۲۹ دن اور ۱۲ گھنٹے کا ہوتا ہے۔

Monthly **KHALID** RABWAH

Regd. No. L5830 EDITOR MUNIR AHMAD JAVED NOVEMBER 1984